زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ماہنامہ اشراق

دسمبر 2025ء

مدیر: سید منظور الحسن

اشراق آڈیو

مدیر آڈیو: محمد حسن الیاس

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ماہنامہ

اشراق

جلد ۳ شمارہ ۱۲ دسمبر ۲۰۲۵ء جمادی الثانی ۱۴۴۷ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

مدیر آڈیو اشراق: محمد حسن الیاس

معاون مدیر: شاہد محمود

مجلس تحریر:

ریحان احمد یوسفی، ڈاکٹر عمار خان ناصر، ڈاکٹر محمد عامر گزدر

ڈاکٹر عرفان شہزاد، محمد ذکوان ندوی، نعیم بلوچ

فہرست

شذرات

فطرت کی ہدایت اور انبیا کی ہدایت کا باہمی تعلق — سید منظور الحسن — 3

مقامات

اجماع — جاوید احمد غامدی — 7

قرآنیات

البیان: آل عمران 3: 100-117 (6) — جاوید احمد غامدی — 11

معارف نبوی

احادیث — محمد حسن الیاس — 15

آثارِ صحابہ

سردارانِ فارس اور صحابہ کے مابین مکالمے (14) — ڈاکٹر عمار خان ناصر — 17

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

دین و دانش

اسراو معراج: تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی (5) — سید منظور الحسن — 38

نقد و نظر

صلاۃ التسبیح: فقہ و حدیث کی روشنی میں (3) — ڈاکٹر محمد عامر گزدر — 48

نقطۂ نظر

سرسید کی کلامی فکر اور اس کا منہج: ایک تجزیاتی مطالعہ (2) — وارث مظہری — 57

’عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ‘ کا فاعل کون؟ — علامہ شبیر احمد ازہر / غطریف شہباز ندوی — 67

علاماتِ قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (7) — محمد سعد سلیم — 76

مکالمات

مطالعۂ مسندِ احمد (3) — ڈاکٹر عمار خان ناصر / ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن — 81

سیر و سوانح

حیاتِ امین (27) — نعیم احمد بلوچ — 89

مختارات

قبرستان کی سیر — ثاقب علی — 96

ادبیات

عربی ادب قبل از اسلام: نباتی و حیوانی زندگی (3) — ڈاکٹر خورشید رضوی — 98

اب سوچتا ہوں اِس جسدِ خاک میں تھا کون — ڈاکٹر خورشید رضوی — 109

اٹھتی ہے موج، یورشِ غم کا خروش ہے — جاوید احمد غامدی — 110

حالات و وقائع

خبر نامہ ”المورد امریکہ“ — شاہد محمود — 111

اشاریہ

اشاریہ ماہنامہ ”اشراق“ امریکہ 2025ء — فہیم احمد — 118

سید منظور الحسن

فطرت کی ہدایت اور انبیا کی ہدایت کا باہمی تعلق

جناب جاوید احمد غامدی کی ایک گفتگو سے ماخوذ

انبیا علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہمارے ہاں عام طور پر اِس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ ابتدا میں راہِ راست پر تھے۔ پھر بہ تدریج اُن میں خرابی بڑھ گئی۔ وہ دین سے بیگانہ ہو گئے۔ توحید کے بجاے شرک کو اختیار کر لیا، اخلاقی حدود کی خلاف ورزی شروع کر دی، دوسروں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اُن میں بگاڑ بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کا ہاتھ پکڑا اور اُن کی رہنمائی فرمائی۔ یہ ہمارے ہاں نبیوں اور کتابوں کے نزول کے مقصد کا عمومی بیان ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا آغاز اِسی بات سے کیا ہے:

الحمد للّٰہ الذی فطر الانام علی ملة الإسلام والاهتداء، وجبلهم علی الملّة الحنیفیة السمحة السهلة البیضاء ثم إنهم غشیهم الجهل، ووقعوا أسفل السافلین، وأدرکهم الشقاء. فرحمهم ولطف بهم وبعث إلیهم الانبیاء،	''تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مکلف مخلوق جن و انس کو مذہبِ اسلام اور راہ یابی پر پیدا کیا اور سیدھی، نرم، آسان اور روشن ملت پر اُن کی تخلیق فرمائی۔ پھر اُن پر نادانی چھا گئی اور وہ انتہائی پستی میں جا پڑے اور بدبختی نے اُن کو دبوچ لیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُن پر مہربانی

لیخرجھم بھم من الظلمات إلی النور، ومن المضیق إلی الفضاء. (21/1)	فرمائی اور اُن کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا اور اُن کی طرف حضرات انبیا کو مبعوث فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور تنگی سے کشادگی کی طرف نکالے۔‘‘

میں اِس معاملے کو ذرا مختلف زاویے سے دیکھتا ہوں۔ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنیادی ہدایت اُس کی فطرت میں ودیعت فرمائی ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ اگر فطرت کے الہامات کی روشنی میں کوئی انحراف اختیار کیے بغیر اپنی راہ تلاش کرنا چاہے تو بالاجمال اُس راہ کو تلاش کر سکتا ہے۔ اِس کی بنیاد پر اُس کا مواخذہ ہو گا، اُس سے پوچھا جائے گا۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے، جن میں پیغمبر مبعوث نہیں ہوئے یا اُن تک پیغمبروں کی دعوت نہیں پہنچی۔ قرآنِ مجید بیان کرتا ہے کہ قیامت میں بعض لوگ یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ اُن کو یا اُن کے آبا کو تو کوئی انذار کرنے والا، بتانے والا نہیں ملا، یعنی اُن تک یہ دعوت نہیں پہنچی۔ چنانچہ میں اِس بات کو بہ طورِ اصول مانتا ہوں کہ فطرت میں جو احکام دیے گئے ہیں، اُن کے لیے بھی انسان جواب دہ ہے۔ یعنی صرف یہی نہیں ہے کہ پیغمبر آئیں گے تو پھر جواب دہ ہو گا، بلکہ وہ اُس الہام کے لیے بھی جواب دہ ہو گا، جو اللہ نے اُس کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔ آسٹریلیا میں بہت سے لوگ قدیم زمانوں سے آباد ہیں اور جدید دنیا سے غیر متعلق ہیں۔ یورپ سے جب مسیحی وہاں گئے تو اُنھوں نے اُنھیں وہاں دیکھا۔ اِسی طرح امریکہ میں بھی صدیوں سے ایسے لوگ آباد ہیں، جو مہذب دنیا سے الگ رہے ہیں۔ اِن کے علاوہ اور بھی بہت سے علاقے ہیں۔ اِن کے ہاں پیغمبروں کی روایت نظر نہیں آتی۔ بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں فطرت کی ہدایت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ آخرت میں اِن کا مواخذہ الہام فطرت کی بنیاد پر ہو گا۔ یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ اُنھوں نے فطرت کی رہنمائی میں کیسی زندگی بسر کی ہے۔ اُنھوں نے اگر فطرت کی رہنمائی کی پیروی کی ہے تو جزا کے مستحق ہوں گے اور اگر اُس سے انحراف کیا ہے تو مواخذے میں آئیں گے۔ البتہ، چونکہ وہ نبوت کی رہنمائی سے فیض یاب نہیں ہوئے، اِس لیے اُن سے رعایت کی جائے گی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کسی انسان کو

بچپن میں لے جاتا ہے، کسی کو جوانی میں لے جاتا ہے، کسی کو بڑی عمر دیتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو جتنا موقع دیا گیا ہے، وہ اُس کے لحاظ سے مسئول ہے۔

فطرت کے اِس الہام کی نوعیت اصولی اور اجمالی ہے۔ یعنی اِس میں قانون و شریعت کی طرح تفصیلات نہیں ہیں۔ اِس فطری ہدایت سے انسان چونکہ انحراف کرتا ہے، اِس لیے اُسے خبردار کرنے کے لیے اللہ نے پیغمبر بھیجے ہیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اِس فطرت کے الہام کے ساتھ پیغمبری سے نوازا اور ابتدائی انسانوں کو جو رہنمائی درکار تھی، وہ اُنھیں عطا فرما دی۔ بنی آدم اِسی روایت کو لے کر دنیا میں پھیلے۔ پھر اُن میں جب اختلافات پیدا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام اور کتابوں کو نازل فرمایا۔ اُن کا مقصد لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرنا تھا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ. (البقرہ 213:2)

”لوگ ایک ہی امت تھے۔ پھر (اُن میں اختلاف پیدا ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے، بشارت دیتے اور انذار کرتے ہوئے اور اُن کے ساتھ قول فیصل کی صورت میں اپنی کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے درمیان وہ اُن کے اختلافات کا فیصلہ کر دے۔“

مطلب یہ ہے کہ یہ دین کوئی خارج کی چیز نہیں ہے، جو اوپر سے تم پر لادی جا رہی ہے۔ یہ عین تمھاری فطرت کا ظہور ہے۔ اِس سے اختلاف کرو گے تو گویا اپنے ساتھ اختلاف کرو گے اور اپنے باطن میں چھپے ہوئے خزانے سے اپنے آپ کو محروم کر لو گے۔ جب یہ فرمایا ہے کہ ’كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً‘ تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایک ہی دین پر تھے، ایک ہی ہدایت پر تھے۔ اِس ہدایت کو لے کر وہ دنیا میں آئے تھے۔ اِس سے اُنھوں نے ابتدا کی تھی۔ چنانچہ نبوت کی رہنمائی کوئی خارج کی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ اُسی اصولی ہدایت پر مبنی ہے، جو اللہ نے انسان کی فطرت میں ودیعت فرمائی ہے۔ گویا فطرت کی ہدایت بیج کی طرح ہے اور نبیوں کی ہدایت کی نوعیت اُس بیج سے پھوٹنے والے برگ و بار کی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ. (الروم 30:30)

”تم اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کی پیروی کرو، (اے پیغمبر)، جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی اِس فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی سیدھا دین ہے۔“

نبوت کی یہ رہنمائی تفصیلی ہے۔ اِس میں ایک پورا نظام فکر ہے۔ زیادہ تر انسانیت اِس سے متمتع ہوئی ہے۔ نبوت کی ایک پوری تاریخ ہے۔ پہلے مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں نبی بھیجے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کو خاص کیا ہے اور دنیا کے وسطی علاقے میں اپنی توحید کے مراکز بنائے ہیں اور بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کی قوموں کے ذریعے سے دنیا کی قوموں تک پیغام پہنچایا ہے۔ پیغمبروں کی وساطت سے ملنے والی یہ رہنمائی پیغمبروں کی کتابوں کی صورت میں، اُن کے قائم کردہ سنن کی صورت میں اور اُن کے آثار کی صورت میں معلوم و معروف ہے۔

الہام فطرت اور الہام نبوت کی ان دونوں صورتوں کے ساتھ اللہ نے انسان کو عقل عطا فرمائی ہے۔ یہ عقل انسانی فطرت کے ساتھ روزِ اول سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ پھر جب یہ نبوت کی ہدایت کو پا لیتی ہے تو اُس میں کارفرما اصولوں کو بھی دریافت کر لیتی ہے۔ یہ اصول ایک نظام فکر کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں۔ یہ جب ایک بار دریافت ہو جاتے ہیں تو پھر ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات کے لیے کارآمد ہو جاتے ہیں۔ یعنی زمانے کے بدلنے اور حالات کی تبدیلی سے جو نئی صورتیں سامنے آتی ہیں، اُن پر اللہ کی ہدایت کے اطلاق کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اِسی کو ہم اجتہاد سے تعبیر کرتے ہیں۔

جاوید احمد غامدی

اجماع

دین کا تنہا ماخذ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔ آپ سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع اور قولی و عملی تواتر سے منتقل ہوا اور دو صورتوں میں ہم تک پہنچا ہے: ایک قرآن، دوسرے سنت۔ آپ کے بعد اب یہ اِنھی دو چیزوں سے اخذ کیا جاتا ہے۔ اِن کے علاوہ تبعاً اگر کوئی چیز خدا کے منشا تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتی ہے تو وہ اجتہاد ہے۔ اِس سے ہم بہت سی دوسری چیزوں کے ساتھ اُن احکام کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو براہ راست نصوص میں بیان نہیں ہوئے، لیکن اپنی نوعیت کے لحاظ سے اُنھی کے اطلاقات ہیں جو لوگوں کی راے اور فہم پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔ قیاس اِسی کی ایک قسم ہے۔ قرآن میں اِس کے لیے 'استنباط' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اِس سے جو چیز وجود میں آتی ہے، اُسے 'فقہ' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اِس کی ابتدا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہادات سے کر دی تھی۔ اخبار آحاد کا ایک بڑا ذخیرہ اِسی کا بیان ہے۔ آپ کے بعد صحابہ و تابعین نے بھی یہ روایت قائم رکھی، لیکن جب فقہا کا دور شروع ہوا تو اِس کے ساتھ ایک چوتھی چیز کا اضافہ کر دیا گیا۔ یہ مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اُس کے بعد سے اب تک بالعموم مانا جاتا ہے کہ اسلامی شریعت کا ایک مصدر یہ اجماع بھی ہے۔

دین کے ماخذ میں یہ اضافہ یقیناً ایک بدعت ہے۔ قرآن و سنت کے نصوص میں اِس کے لیے کوئی بنیاد تلاش نہیں کی جا سکتی۔ اِس کے اثرات کا جائزہ لیجیے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اِس سے اسلامی شریعت کی ابدیت مجروح ہوئی اور دور جدید کی نسبت سے اُس کا تعلق (relevance)

ثابت کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ برصغیر کے جلیل القدر عالم اور داعی مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں:

”عام طور پر فقہا نے اجماع (consensus) کو شریعت کا ایک مستقل مصدر قرار دیا ہے، مگر یہ یقینی طور پر ایک بے بنیاد نظریہ ہے۔ شریعت کا مستقل مصدر صرف کوئی نص قطعی ہو سکتا ہے۔ نص قطعی کی غیر موجودگی میں کسی چیز کو شریعت کا مستقل مصدر قرار دینا یقینی طور پر ایک بے بنیاد بات ہے۔ اجماع کی بلاشبہ ایک اہمیت ہے، لیکن وہ اہمیت صرف یہ ہے کہ کسی خاص موقع پر اجماع کسی پیش آمدہ مسئلے کا ایک عملی حل ہوتا ہے۔ یہ حل یقینی طور پر ایک وقتی حل ہوتا ہے، نہ کہ شریعت کا ابدی مصدر۔“ (الرسالہ 7/2011ء)

فقہا جن دلائل سے اجماع کی حجیت ثابت کرتے ہیں، اُن کی حقیقت اگر کوئی شخص سمجھنا چاہے تو اُسے امام شوکانی کی ”ارشاد الفحول“ دیکھنی چاہیے۔ اُس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ کس قدر بے معنی اور غیر متعلق ہیں۔ قرآن مجید کی ایک آیت اور ایک حدیث، البتہ ایسی ہے جس سے استدلال بعض لوگوں کے لیے باعث تردد ہو سکتا ہے۔ اُس کی حقیقت ہم یہاں واضح کیے دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ، نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا.

(النساء 4:115)

”اور جو راہ ہدایت کے پوری طرح اپنے اوپر واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کریں گے اور اُن لوگوں کے راستے کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کریں گے جو (تم پر) سچے دل سے ایمان لائے ہیں، اُنھیں ہم اُسی راستے پر ڈال دیں گے جس پر وہ خود گئے ہیں اور دوزخ میں جھونکیں گے۔ وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔“

فقہا کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ ایمان والوں کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے تو آیت میں اُس پر جہنم کی وعید ہے۔ اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اُن کے راستے کی پیروی ہر شخص پر لازم ہے۔ لہٰذا مسلمان اگر کسی رائے یا نقطۂ نظر پر متفق ہو جائیں تو اُس سے اختلاف

نہیں ہو سکتا۔ ہر صاحب ایمان پر واجب ہے کہ اُن کے اِس اجماع کی پیروی کرے۔

یہ استدلال کس قدر بے بنیاد ہے، اِس کو سمجھنے کے لیے آیت کو اُس کے سیاق میں رکھ کر دیکھیے۔ پیچھے جن منافقین کی اندرون خانہ سرگوشیوں سے پردہ اٹھایا ہے، اُنھی کے بارے میں فرمایا ہے کہ پیغمبر کی مخالفت کے لیے جو لوگ اپنی ایک الگ پارٹی کھڑی کرنا چاہتے اور اِس طرح ایمان کے بجاے کفر اور منافقت کا طریقہ اختیار کر رہے ہیں، وہ جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔ روے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے جو مسلمانوں کی جماعت میں اُن کی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُنھیں تنبیہ فرمائی ہے کہ جن کی وکالت کر رہے ہو، اُن کا یہ 'مشاقۃ' اُنھیں سیدھا جہنم میں لے جائے گا، اِس لیے کہ یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے اور جو لوگ راہ ہدایت کے پوری طرح واضح ہو جانے کے بعد کفر اور منافقت کی راہ اختیار کر لیں، اُن کا ٹھکانا جہنم ہی ہو سکتی ہے۔ آیت میں اِسی کفر اور منافقت کے لیے 'غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں مومنین سے مراد صحابۂ کرام ہیں، جنھوں نے حق کو پا لیا تو اُس کے بعد پھر کبھی خدا کے پیغمبر سے بد عہدی، بے وفائی، مخالفت اور گریز و فرار کا رویہ اختیار نہیں کیا، بلکہ پورے اخلاص کے ساتھ آپ کی اتباع کی اور جو حکم دیا گیا، اُس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے رہے۔ ایمان و اخلاص، اتباع و اطاعت اور تسلیم و انقیاد کا یہی رویہ ہے جسے آیت میں 'سَبِيْلُ الْمُؤْمِنِيْنَ' سے تعبیر کیا ہے۔ اِسے چھوڑ کر جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے، وہ 'غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ' ہے اور اِسی کے اختیار کرنے والے ہیں جنھیں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اِس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ اہل ایمان کی تعبیرات، آرا اور اجتہادات سے اختلاف نہیں ہو سکتا یا وہ بالاجماع کوئی نقطۂ نظر اختیار کر لیں اور قرآن و سنت کی روشنی میں اُس پر تنقید کی جائے تو آدمی جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آیت میں یہ مسئلہ سرے سے زیر بحث ہی نہیں ہے۔ اُس میں جو بات کہی گئی ہے، وہ صرف یہ ہے کہ ہدایت کا راستہ پوری طرح واضح ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص خدا کے بھیجے ہوئے ہادی کی مخالفت اور اُس کے مقابلے میں اپنی ایک الگ پارٹی کھڑی کرنے کی جسارت کرتا ہے تو یہ سراسر کفر ہے جس کے ساتھ ایمان کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اِس طرح کے لوگوں کو خدا اُسی راستے پر ڈال دیتا ہے جو وہ اپنے لیے منتخب کر لیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ یہ راستہ اگر کسی نے اختیار کر لیا ہے تو اُسے پھر جہنم ہی کا منتظر رہنا چاہیے۔

یہی معاملہ حدیث کا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: 'إن اللّٰہ لا یجمع أمتی علیٰ ضلالۃ'* (اللہ میری امت کو کسی گم راہی پر جمع نہ کرے گا)۔ یہ اگرچہ ایک کم زور روایت ہے اور اِسی بنا پر حدیث کی امہات کتب، یعنی بخاری، مسلم اور موطا میں سے کسی میں بھی جگہ نہیں پا سکی۔ تاہم مان لیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الواقع اپنی امت کو یہ بشارت دی ہے، لیکن اِس کے معنی کیا یہ ہیں کہ اُن سے کوئی خطا بھی نہیں ہو سکتی؟ حقیقت یہ ہے کہ خطا اور ضلالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے، اُس کا تعلق ضلالت سے ہے، خطا سے نہیں ہے۔ پوری امت کسی ضلالت پر جمع ہو جائے، یہ ناممکن ہے، اِس کی وجہ یہ ہے کہ دین کے معاملے میں ہدایت و ضلالت کا فرق اتمام حجت کے درجے میں واضح کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا عقلاً محال ہے کہ امت کے تمام علما، مجتہدین اور ارباب حل و عقد کسی شرک کو شرک سمجھتے ہوئے اُس پر جمع ہو جائیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت رسالت کا انکار کر دیں یا آخرت میں جواب دہی کے منکر ہو جائیں یا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی جیسے احکام سے انحراف اختیار کر لیں۔ اِس طرح کی چیزیں اب امت کے لیے من جملہ بدیہیات ہیں۔ اِن سے انحراف پر اجماع نہیں ہو سکتا۔ اِس کے برخلاف جو چیزیں محل تدبر یا محل اجتہاد ہیں، اُن کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے اور امت کے سب لوگ اُس غلطی پر جمع بھی ہو سکتے ہیں۔ عقل و نقل میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی بنا پر اِسے ممتنع قرار دیا جا سکے۔ چنانچہ حدیث کی نسبت اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح بھی ہے تو اُس کے الفاظ سے واضح ہے کہ آپ کی یہ بشارت ضلالت پر اجماع سے متعلق ہے اور ضلالت کے بارے میں یہ بات یقیناً کہی جا سکتی ہے کہ مسلمان اُس پر کبھی جمع نہیں ہوں گے۔ فکر و اجتہاد اور فہم و تدبر کی کسی غلطی پر اجماع سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

[2011ء]

---

* ترمذی، رقم 2167۔

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(6)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ

ایمان والو، تم اِن اہل کتاب کے ایک گروہ کی بات مان لو گے تو تمھارے ایمان کے بعد یہ پھر تمھیں کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ (اِس پر متنبہ رہو) اور (غور کرو کہ) تمھارا کفر میں پڑنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے، جب کہ تمھیں اللہ کی آیتیں سنائی جا رہی ہیں اور اُس کا رسول تمھارے اندر موجود ہے۔ (لہٰذا اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو) اور (یاد رکھو کہ) جو اللہ کو مضبوطی سے پکڑے گا تو (سمجھ لو کہ) اُس نے سیدھی راہ کو پا لیا ہے۔ 100-101

ایمان والو، اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور دنیا سے رخصت ہو تو ہر حال میں اسلام پر رخصت ہو۔ اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ میں نہ پڑو، اور اپنے

بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

اوپر اللہ کی اِس عنایت کو یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمھارے دل جوڑ دیے اور اُس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے، اور یاد رکھو کہ تم آگ کے ایک گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے، پھر اُس نے تم کو اُس سے بچا لیا۔ اللہ اِسی طرح اپنی آیتیں تمھارے لیے واضح کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پر رہو۔ اور چاہیے کہ تمھارے اندر سے کچھ لوگ مقرر ہوں جو نیکی کی دعوت دیں، بھلائی کی تلقین کریں اور برائی سے روکتے رہیں۔ (تم یہ اہتمام کرو) اور (یاد رکھو کہ) جو یہ کریں گے، وہی فلاح پائیں گے۔ 102-104

(تم یہ کرو) اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور جنھوں نے نہایت واضح ہدایات اپنے پاس آجانے کے بعد اختلاف کیا اور (اب) وہی ہیں کہ جن کے لیے بڑی ہول ناک سزا ہے۔ اُس دن جب کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہروں پر تاریکی چھا رہی ہو گی۔ سو جن کے چہروں پر تاریکی چھا رہی ہو گی، اُن سے پوچھا جائے گا: کیا تم ایمان کی نعمت سے بہرہ یاب ہونے کے بعد پھر کافر ہو گئے؟ تو اپنے اِس کفر کی پاداش میں اب چکھو عذاب کا مزہ۔ رہے وہ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت کے سایوں میں ہوں گے، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمھیں ٹھیک ٹھیک سنا رہے ہیں، اور اِس لیے سنا رہے ہیں کہ اللہ نہیں چاہتا کہ وہ دنیا والوں پر کوئی ظلم کرے۔ (لہٰذا اِن اہل کتاب کی طرح جھوٹی امیدوں میں نہ رہو) اور (یاد رکھو کہ) زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کا ہے اور تمام معاملات اللہ ہی کے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں۔ 105-109

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

(ایمان والو، اِس وقت تو اللہ کی عنایت سے) تم ایک بہترین جماعت ہو جو لوگوں پر حق کی شہادت کے لیے برپا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہو۔ اور یہ اہل کتاب بھی (قرآن پر) ایمان لاتے تو اِن کے لیے بہتر ہوتا۔ (اِس میں شبہ نہیں کہ) اِن میں ماننے والے بھی ہیں، لیکن (افسوس کہ) اِن میں زیادہ نافرمان ہی ہیں۔ یہ تمھیں کچھ اذیت دے سکتے ہیں، اِس کے سوا یہ تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور (مطمئن رہو کہ) اگر یہ تم سے لڑیں گے تو لازماً پیٹھ دکھائیں گے۔ پھر اِن کو کہیں سے کوئی مدد نہ ملے گی۔ اِنھیں جہاں دیکھیے، اِن پر ذلت کی مار ہے، الّا یہ کہ اللہ کی رسی تھام لیں اور (اُن) لوگوں کی رسی تھام لیں (جنھوں نے اللہ کی رسی تھام لی ہے)۔ یہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں اور اِن پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے۔ یہ اِس لیے کہ یہ اللہ کی آیتوں کے منکر رہے ہیں اور اُس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔ یہ اِس لیے کہ اِنھوں نے نافرمانی کی اور یہ ہمیشہ حد سے بڑھتے رہے ہیں۔ 110-112

(یہ بات، البتہ واضح رہے کہ) سب اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ اِن میں ایک گروہ اپنے عہد پر قائم ہے۔ وہ راتوں کو اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے اور (اُس کے سامنے) سجدہ ریز رہتے ہیں۔ اللہ پر اور قیامت کے دن پر سچا ایمان رکھتے ہیں، نیکی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور وہ خدا کے نیک بندوں میں سے ہیں۔ (اِس میں شبہ نہیں کہ وہ حق کے سچے طالب ہیں) اور (اپنے اِس رویے کے صلے میں) جو نیکی بھی کریں گے، اُس کے اجر سے محروم نہ ہوں گے اور اللہ اِن پرہیزگاروں سے خوب واقف ہے۔ 113-115

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا یُنۡفِقُوۡنَ فِیۡ ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَثَلِ رِیۡحٍ فِیۡہَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَاَہۡلَکَتۡہُ ؕ وَ مَا ظَلَمَہُمُ اللّٰہُ وَ لٰکِنۡ اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

اِس کے بر خلاف جن لوگوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ منکر ہی رہیں گے، اُن کے مال و اولاد اللہ کے مقابل میں اُن کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور وہ دوزخ کے لوگ ہیں، اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اِس دنیا کی زندگی میں جو کچھ وہ (بہ ظاہر اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اُس کی تمثیل ایسی ہے کہ پالے کی ہوا ہو جو اُن لوگوں کی کھیتی پر چل جائے جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو اور اُسے برباد کر دے۔ (یہ اِسی کے سزاوار ہیں) اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اِن پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ یہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے ہیں۔ 116-117

[باقی]

ترجمہ و تحقیق: محمد حسن الیاس

— 1 —

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی موت اِس حالت میں آئی کہ (جانتے بوجھتے) اللہ کے شریک ٹھیراتا تھا، وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔ (بخاری، رقم 1168)

—2 —

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا گزر ایک مرتبہ خالد بن یزید بن معاویہ کے ہاں ہوا تو اُس نے اُن سے فرمایش کی کہ کوئی ایسی نرم ترین بات بتایئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو؟ اُنھوں نے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: یاد رکھو! تم میں سے ہر شخص جنت میں داخل ہو گا، سوائے اُس کے جو اللہ کی اطاعت سے اِس طرح بدک کر نکل جائے، جس طرح اونٹ اپنے مالک کے سامنے بدک جاتا ہے۔ (احمد، رقم 21640)

—3 —

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری تمام امت جنت میں داخل ہو گی، سوائے اُس کے جس نے جانے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے عرض

کیا: یارسول اللہ، ایسا کون ہے جو خود جانے سے انکار کرے گا؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی، سو وہی ہے جس نے انکار کر دیا۔
(بخاری، رقم 6764)

تفہیم الآثار

ڈاکٹر عمار خان ناصر

سردارانِ فارس اور صحابہ کے مابین مکالمے

(14)

(1)

عَنْ كَرِبِ بْنِ أَبِي كَرِبٍ العُكْلِيِّ — وَكَانَ فِي المُقَدَّمَاتِ أَيَّامَ القَادِسِيَّةِ — قَالَ: ... وَبَعَثَ سَعْدٌ عُيُونًا إِلَى أَهْلِ الحِيرَةِ وَإِلَى صُلُوبَا لِيَعْلَمُوا لَهُ خَبَرَ أَهْلِ فَارِسَ، فَرَجَعُوا إِلَيْهِ بِالخَبَرِ بِأَنَّ المَلِكَ قَدْ وَلَّى رُسْتَمَ بْنَ الفَرُّخْزَادَ الأَرْمَنِيَّ حَرْبَهُ، وَأَمَرَهُ بِالعَسْكَرَةِ، فَكَتَبَ بِذَلِكَ إِلَى عُمَرَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ: لَا يَكُبَرَنَّكَ مَا يَأْتِيكَ عَنْهُمْ وَلَا مَا يَأْتُونَكَ بِهِ، وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ، وَابْعَثْ إِلَيْهِ رِجَالًا مِنْ أَهْلِ المَنْظَرَةِ وَالرَّأْيِ وَالجَلَدِ يَدْعُونَهُ، فَإِنَّ اللَّهَ جَاعِلٌ دُعَاءَهُمْ تَوْهِينًا لَهُمْ وَفَلَجًا عَلَيْهِمْ.

(تاریخ الطبری 3/495)

”کرب بن ابی کرب العکلی بیان کرتے ہیں — جو جنگِ قادسیہ کے موقع پر اگلے دستوں میں تھے — کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اہلِ حیرہ اور صُلوبا کی طرف جاسوس بھیجے تاکہ وہ اہلِ فارس کی خبریں معلوم کریں۔ وہ یہ اطلاع لے کر واپس آئے کہ بادشاہ (یزدگرد) نے رستم بن فرخ زاد ارمنی کو جنگ کی ذمہ داری سونپی ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ وہ لشکر تیار کرے۔

سعد رضی اللہ عنہ نے یہ خبر لکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجی تو انھوں نے جواب میں لکھا: ان کی جو خبریں تم تک پہنچتی ہیں، یا جو خبریں لوگ تمھارے پاس لاتے ہیں، اُن سے گھبراؤ نہیں۔ اللہ سے مدد مانگو اور اسی پر بھروسا رکھو۔ اور بادشاہ کے پاس ایسے آدمیوں کو بھیجو جو دیکھنے میں باوقار، صاحب رائے اور مضبوط جسم کے ہوں تاکہ وہ اسے (اسلام کی) دعوت دیں، کیونکہ اللہ ان تک دعوت پہنچانے کو ان کی کم زوری کا اور ان پر فتح وغلبہ کا ذریعہ بنادے گا۔"

لغوی تشریح

'فَلَجًا'، یعنی مخالف پر غلبہ اور کامیابی۔ جوے میں جیتنے والے کو فالج کہا جاتا ہے (والفالِجُ: الغالبُ فِي قِمارِہ. لسان العرب 2/348)

شرح ووضاحت

1۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 7ر ہجری میں شاہِ ایران خسرو پرویز کے نام خط لکھ کر اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور یہ لکھا تھا کہ اگر اس نے انکار کیا تو مجوسیوں کا گناہ اسی کے سر ہو گا۔ خسرو نے خط کے مضمون پر برافروختہ ہو کر اسے پھاڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد عبداللہ بن حذافہ کو دربار سے نکال دیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل فارس کے خلاف بددعا فرمائی تھی کہ ان کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں (بخاری، رقم 4424)۔ متعدد مواقع پر آپ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ مسلمان فارس کا علاقہ فتح کریں گے اور کسریٰ کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے (بخاری، رقم 3400۔ مسلم، رقم 2900)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کے بعد خسرو نے یمن میں اپنے عامل باذام (یاباذان) کو مامور کیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو بھیج کر خط لکھنے والے کو گرفتار کرے اور خسرو کے پاس بھیج دے۔ باذام کے بھیجے ہوئے قاصد جب آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے کہا کہ کل میرے پاس آنا۔ اگلے دن وہ آئے تو آپ نے ان کو اطلاع دی کہ اللہ نے خسرو کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا اور اس نے فلاں مہینے کی فلاں رات کو اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ باذام کے قاصد یہ اطلاع لے کر واپس اس کے پاس گئے اور اس نے خبر کی تصدیق ہو جانے کے بعد اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی نبوت کی دلیل مانتے ہوئے اسلام قبول کر لیا (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ 4/267-269)۔

2۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خط اور پیشین گوئیوں کی روشنی میں صحابہ نے فارسی سلطنت کے علاقوں میں جنگی مہمات کا آغاز سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کیا تھا اور خالد بن ولید اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہما کی قیادت میں مسلمانوں کے لشکروں نے عراق کے بعض علاقے فتح کر لیے تھے۔ پھر مسلمانوں کی توجہ زیادہ تر شام کے محاذ پر مرکوز ہو گئی، جب کہ اس عرصے میں اہل فارس کی داخلی صورت حال بھی سیاسی خلفشار کا شکار رہی۔ 13ر ہجری میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا منصب سنبھالا تو ان کو اطلاعات ملیں کہ اہل فارس، عراق میں مسلمانوں کے مفتوحہ علاقے میں شورش کو ہوا دینے کے ساتھ ساتھ ایک بڑی جنگی قوت اکٹھی کر کے اہل عرب کے خلاف ایک فیصلہ کن اقدام کا ارادہ کر رہے ہیں۔

اسی سیاق میں انھوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کے ایک بڑے لشکر کو اہل فارس کے مقابلے کے لیے روانہ کیا، جس نے قادسیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں 14ھ میں اہل عرب اور اہل فارس کے مابین پہلا بڑا معرکہ ہوا، جو جنگ قادسیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس موقع پر جنگ سے پہلے شاہ ایران یزدگرد اور ایرانی فوجوں کے سپہ سالار رستم کے ساتھ صحابہ کے مختلف مکالمے ہوئے۔ زیر بحث اثر میں انھی میں سے ایک مکالمے کے پس منظر کا ذکر ہوا ہے۔

3۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مامور کیا کہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں سے کچھ صاحب وجاہت اور دانش مند افراد کے ایک وفد کو یزدگرد کے پاس بھیجیں، جو اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کریں۔ جنگ سے پہلے دشمن کے سامنے اسلام کی دعوت اور مختلف آپشنز پیش کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ طریقے کی رو سے بھی ضروری تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے یہ توقع بھی تھی کہ اہل فارس کے سامنے مسلمانوں کا موقف اور ان کا عزم و ارادہ واضح کرنے سے اہل فارس کے جنگی عزم و ہمت میں کم زوری پیدا ہو گی اور نتیجتاً یہ چیز مسلمانوں کے لیے فتح کے حصول میں مددگار ثابت ہو گی۔

طبری کی روایت کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یزدگرد کے پاس بھیجنے کے لیے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں جن صاحب وجاہت اور صاحب الرائے افراد کو وفد میں شامل کیا، ان میں بُسر بن ابی رُہم، حملہ بن

جویۃ الکنانی، حنظلہ بن الربیع التمیمی، فُرات بن حیّان العجلی، عدی بن سہیل، مغیرہ بن زرارہ بن النبّاش بن حبیب، عُطارِد بن حاجب، اشعث بن قیس، حارث بن حسان، عاصم بن عمرو، عمرو بن معدی کرب، مغیرہ بن شعبہ اور مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہم شامل تھے (تاریخ الطبری 3/496)۔

ایک دوسرے مورخ المدائنی کی ذکر کردہ فہرست اس سے جزوی طور پر مختلف ہے اور اس میں مذکورہ بعض افراد کی جگہ طلیحۃ ابن خویلد، زہرہ بن جویۃ، لبید بن عطارد اور شرحبیل بن السمط کا ذکر ہے (الکلاعی، الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والثلاثۃ الخلفاء 2/445)۔ بہ ظاہر طبری کی فہرست میں مغیرہ بن شعبہ اور مثنیٰ بن حارثہ کا ذکر درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ مثنیٰ کا اس سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا، جب کہ مغیرہ بن شعبہ کا ذکر زیادہ تر روایات میں یزدگرد کے بجائے رستم کے ساتھ مکالمہ کرنے والے حضرات کے ضمن میں ہوا ہے، جس کا ذکر آیندہ آثار میں آئے گا۔

تخریج اور اختلاف طرق

سیف بن عمر کی روایت سے یہ واقعہ الکلاعی نے بھی نقل کیا ہے (الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والثلاثۃ الخلفاء 2/445)۔

الکلاعی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خط کا تفصیلی متن بھی نقل کیا ہے، لیکن اس کے ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔ متن یہ ہے:

وكتب إليه عمر: أتاني كتابك تذكر مكان عدوك ونزولك حيث نزلت، ومسافة ما بينك وبين ابن كسرى، وأنه من يرد الله أن يهديه يشرح صدره للإسلام، فأرسل إلى ابن كسرى من يدعوه إلى الإيمان أو إعطاء الجزية أو الحرب، فإن أسلم فله ما لكم وعليه ما عليكم،

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا: مجھے تمھارا خط ملا جس میں تم نے اپنے دشمن کے مقام کا اور اس جگہ کا ذکر کیا ہے جہاں تم ٹھہرے ہوئے ہو، اور اپنے اور کسریٰ کے بیٹے کے درمیان فاصلہ بھی بتا دیا ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دینا چاہے، اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ سو تم کسریٰ کے بیٹے کے

وإن اختار إعطاء الجزية ولم يسلم فله ماكسب وعليه ما اكتسب وقد حقن دمه وأحرز أرضه، ولا سبيل عليه إلا في حق عليه، فإن أبى الإسلام وإعطاء الجزية فلا يعظم عندك حربه ولا يكربنك ما يأتيك عنهم، ولا ما يأتوك به، فاستعن بالله واستنصره وتوكل عليه....

پاس کچھ لوگوں کو بھیجو جو اسے دعوت دیں کہ وہ یا تو ایمان لے آئے یا جزیہ دینا قبول کر لے یا پھر جنگ کرے۔ اگر وہ اسلام قبول کرلے تو جو کچھ تمھارے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں، وہی اس کی بھی ہوں گی؛ اور اگر وہ اسلام قبول کرنے کے بجاے جزیہ دینا اختیار کرے تو اس کے اچھے اور برے عملوں کی ذمہ داری اسی پر ہے اور اس کی جان اور اس کا علاقہ محفوظ رہے گا، اور کسی حق کے بغیر اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر وہ اسلام اور جزیہ، دونوں سے انکار کر دے تو اس کے خلاف جنگ تمھیں زیادہ فکر مند نہ کرے اور نہ وہ اطلاعات تمھیں پریشان کریں جو ان کی طرف سے پہنچتی ہیں یا لوگ تمھارے پاس لاتے ہیں۔ تم اللہ سے مدد چاہو، اس کی نصرت طلب کرو اور اسی پر بھروسا رکھو...۔"

(2)

عمرو بن محمد، عَنِ الشَّعْبِيِّ، وَطَلْحَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ، قَالُوا: فَخَرَجُوا مِنَ الْعَسْكَرِ حَتَّى قَدِمُوا الْمَدَايِنَ احْتِجَاجًا وَدُعَاةً لِيَزْدَجَرْدَ، فَطَوَوْا رُسْتُمَ حَتَّى انْتَهَوْا إِلَى بَابِ يَزْدَجَرْدَ، فَوَقَفُوا عَلَى خُيُولِ [عِرَاب] مَعَهُمْ جَنَابِبُ، وَكُلُّهَا صَهَّالٌ، فَاسْتَأْذَنُوا فَحُبِسُوا، وَبَعَثَ يَزْدَجَرْدُ إِلَى وُزَرَايِهِ وَوُجُوهِ أَرْضِهِ يَسْتَشِيرَهُمْ فِيمَا يَصْنَعُ بِهِمْ وَيَقُولُهُ

لَهُمْ، وَسَمِعَ بِهِمُ النَّاسُ فَحَضَرُوهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِمْ، وَعَلَيْهِمُ الْمُقَطَّعَاتُ وَالْبُرُودُ، وَفِي أَيْدِيهِمْ سِيَاطٌ دِقَاقٌ، وَفِي أَرْجُلِهِمُ النِّعَالُ، فَلَمَّا اجْتَمَعَ رَأْيُهُمْ أَذِنَ لَهُمْ فَأُدْخِلُوا عَلَيْهِ. (تاریخ الطبری 3/497)

”شعبی اور مغیرہ کا بیان ہے: ان لوگوں، (یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے منتخب کردہ وفد) نے اپنے لشکر سے نکل کر (فارس کے پایۂ تخت) مدائن کا قصد کیا تاکہ یزدگرد کے سامنے حجت پیش کر سکیں اور اسے اسلام کی دعوت دیں۔ یہ لوگ (راستے میں) رستم کے پاس سے گزرتے ہوئے یزدگرد کے محل کے دروازے تک پہنچ گئے۔ وہ عربی گھوڑوں کی پشت پر سوار تھے، اور ان کے ساتھ (سواروں کے بغیر) زائد گھوڑے بھی تھے، اور سب گھوڑے زور زور سے ہنہنا رہے تھے (جو ان کے اضطراب کا پتا دیتا تھا)۔ انھوں نے (بادشاہ کے پاس جانے کی) اجازت طلب کی، مگر انھیں روک دیا گیا۔ یزدگرد نے اپنے وزیروں اور ملک کے بڑے سرداروں کو بلا کر مشورہ کیا کہ وہ ان (اہل عرب) کے ساتھ کیا معاملہ کرے اور ان سے کیا کہے۔ عام لوگوں کو بھی خبر ملی اور وہ انھیں دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ ان کے جسموں پر پیوند لگے لباس اور موٹی دھاری دار چادریں تھیں، ہاتھوں میں باریک چابک اور پاؤں میں چمڑے کے سادہ جوتے تھے۔ جب (مشورے کے بعد) اہل فارس کا باہم اتفاق ہو گیا تو ان لوگوں کو اجازت دی گئی اور انھیں یزدگرد کے پاس لے جایا گیا۔“

لغوی تشریح

’جَنَائِبُ‘: ’جنیبة‘ کی جمع ہے، جو ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جس پر کوئی شخص سوار نہ ہو اور اسے سامان لادنے یا بہ وقت ضرورت استعمال کے لیے ساتھ رکھا جائے۔

شرح و وضاحت

اہل عرب کے ساتھ بات چیت کے لیے سرداران فارس کی طرف سے اس خاص اہتمام اور عام اہل فارس کے تجسس اور اشتیاق سے اس گھبراہٹ اور خوف کا پتا چلتا ہے جو اہل فارس کے دلوں پر طاری تھا۔ اس کی وجہ، جیسا کہ آیندہ آثار سے واضح ہو گا، ایک تو اہل عرب کا ایک متحد

سیاسی قوت کے طور پر ظہور تھا، جو اہل فارس کے لیے قطعاً غیر متوقع تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل فارس کا داخلی سیاسی خلفشار، عراق کے ایک حصے کو فتح کرنے میں اہل عرب کی کامیابی اور مزید مہمات کے لیے ان کا عزم و حوصلہ، یہ سب چیزیں مل کر اہل فارس کے خوف اور پریشانی کو دوچند کر رہی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس صورت حال کی خبر تھی اور اسی لیے انھوں نے اہل فارس پر نفسیاتی دباؤ بڑھانے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ اہل عرب کا ایک باوقار وفد فارسی سلطنت کے اہل حل و عقد اور عوام کے سامنے حالات کی درست وضاحت کر کے ان پر حجت تمام کرے تاکہ ان پر صورت حال کی صحیح نوعیت بھی واضح ہو جائے اور وہ مزاحمت کے لیے جو عزم و ارادہ مجتمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس میں بھی اضمحلال آ جائے۔

تخریج اور اختلاف طرق

سیف بن عمر کی روایت سے یہ واقعہ الکلاعی نے بھی نقل کیا ہے (الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والثلاثۃ الخلفاء 2/446)۔ متن میں بعض جگہ الفاظ کا فرق ہے۔ مثلاً طبری کے متن میں 'خُيُولِ عَرَوَات' کے الفاظ ہیں، جن کا کوئی مفہوم نہیں بنتا۔ ان کی جگہ کلاعی کے نقل کردہ الفاظ 'خُيُولِ عِرَاب' کو متن میں درج کیا گیا ہے، جن کا مفہوم واضح ہے۔

(3)

عَنْ بِنْتِ كَيْسَانَ الضَّبِيَّةِ، عَنْ بَعْضِ سَبَايَا الْقَادِسِيَّةِ مِمَّنْ حَسُنَ إِسْلَامُهُ، وَحَضَرَ هَذَا الْيَوْمَ الَّذِي قَدِمَ فِيهِ وُفُودُ الْعَرَبِ، قَالَ: وَثَبَ إِلَيْهِمُ النَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِمْ، فَلَمْ أَرَ عَشَرَةً قَطُّ يَعْدِلُونَ فِي الْهَيْئَةِ بِأَلْفِ غَيْرِهِمْ، وَخَيْلُهُمْ تَخْبِطُ [وَيُوغِرُ بَعْضُهَا بَعْضًا]، وَجَعَلَ أَهْلُ فَارِسَ يَسُوءُهُمْ مَا يَرَوْنَ مِنْ حَالِهِمْ وَحَالِ خَيْلِهِمْ. فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يَزْدَجَرْدَ أَمَرَهُمْ بِالْجُلُوسِ، وَكَانَ سَيِّئَ الْأَدَبِ. فَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ دَارَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ أَنَّ أَمِيرَ التَّرْجُمَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ، فَقَالَ: سَلْهُمْ مَا يُسَمُّونَ هَذِهِ الْأَرْدِيَةَ؟ فَسَأَلَ النُّعْمَانَ — وَكَانَ عَلَى الْوَفْدِ —: مَاذَا تُسَمِّي رِدَاءَكَ؟ فَقَالَ: الْبُرْدُ، فَتَطَيَّرَ وَقَالَ: بُرْدُ جَهَانَ. وَتَغَيَّرَتْ أَلْوَانُ فَارِسَ وَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ. ثُمَّ قَالَ: سَلْهُمْ عَنْ أَحْذِيَتِهِمْ،

فَقَالَ: مَاذَا تُسَمُّونَ هَذِهِ الاَحْذِيَةَ؟ فَقَالَ النُّعْمَانُ، فَعَادَ لِمِثْلِهَا فَقَالَ: نَالَهُ نَالَهُ فِي أَرْضِنَا. ثُمَّ سَأَلَهُ عَمَّا فِي يَدِهِ فَقَالَ: سَوْطٌ، وَالسَّوْطُ بِالْفَارِسِيَّةِ حَرِيقٌ. فَقَالَ: أَحْرَقُوا فَارِسَ، أَحْرَقَهُمُ اللهُ! وَكَانَ تَطَيُّرُهُ عَلَى أَهْلِ فَارِسَ، وَكَانُوا يَجِدُونَ مِنْ كَلَامِهِ.

(تاریخ الطبری 3/498)

”بنتِ کیسان ضبیہ، قادسیہ کے قیدیوں میں سے ایک قیدی سے روایت کرتی ہیں، جس نے اچھے انداز میں اسلام قبول کر لیا تھا اور جو اس موقع پر موجود تھا جب اہل عرب کا وفد یزدگرد کے دربار میں آیا۔ اس نے بیان کیا کہ فارس کے لوگ اہل عرب کو دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ میں نے کبھی ایسے دس آدمیوں کی جماعت نہیں دیکھی جو اپنے ظاہری منظر میں ایک ہزار کے برابر دکھائی دیتے ہوں۔ ان کے گھوڑے اپنے پاؤں زور زور سے زمین پر مار رہے تھے اور ایک دوسرے کو غصہ دلا رہے تھے (گویا میدان جنگ کے لیے پرجوش تھے)، اور اہل فارس کو اہل عرب کی ہیئت و صورت اور ان کے گھوڑوں کی حالت بہت پریشان کر رہی تھی۔ جب وہ یزدگرد کے دربار میں داخل ہوئے تو (ان کی ظاہری ہیبت سے متاثر ہو کر) اس نے انھیں بیٹھنے کا حکم دیا، حالاں کہ وہ بہت بدمزاج تھا۔ پہلی بات جو اس کے اور ان کے درمیان ہوئی، یہ تھی کہ اس نے مترجم سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ انھوں نے جو چادریں اوڑھی ہوئی ہیں، ان کو یہ کیا کہتے ہیں؟ مترجم نے نعمان بن مقرن سے، جو وفد کے سردار تھے، پوچھا کہ تم اپنی چادر کو کیا کہتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ: بُرد۔ یزدگرد نے یہ سن کر بدشگونی لی اور کہا: بُردِ جہان! یہ سن کر اہل فارس کے چہروں کا رنگ بدل گیا اور انھیں یہ بات بہت گراں گزری۔ پھر یزدگرد نے کہا کہ ان سے ان کے جوتوں کے بارے میں پوچھو۔ ترجمان نے کہا کہ تم انھیں کیا کہتے ہو؟ نعمان نے جواب دیا (کہ ہم ان کو ”نعل“ کہتے ہیں) تو یزدگرد نے پھر بدشگونی لی اور کہا: ہمارے ملک میں نالہ نالہ! (یعنی رونا دھونا)۔ پھر اس نے پوچھا: یہ جو تمھارے ہاتھ میں ہے، اسے کیا کہتے ہو؟ نعمان نے کہا: سوط (چابک)۔ فارسی میں سوط (سوخت) کا مطلب آگ ہوتا ہے۔ اس پر یزدگرد نے کہا کہ انھوں نے فارس کو جلا دیا! اللہ انھیں جلا دے! اس نے جو بھی فال نکالی، وہ اہلِ فارس کے خلاف تھی، اور وہ لوگ یزدگرد کی بدشگونی سن سن کر غمگین ہو رہے تھے۔“

شرح ووضاحت

اہل فارس میں فال نکالنے اور بدشگونی وغیرہ کا عام رواج تھا۔ یزدگرد نے اسی ارادے سے اہل عرب کے جسم پر یا ان کے پاس موجود کچھ چیزوں کے نام پوچھے تاکہ ان سے فال نکال سکے۔ عربی میں دھاری دار چادر کو 'بُرد' کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ سننے پر یزدگرد نے اس سے "برد جہاں" کی فال نکالی جس کا مطلب فارسی میں "دنیا کو لے گیا" بنتا ہے۔ مراد یہ کہ اہل عرب اہل فارس کی سلطنت پر غالب آگئے اور اسے لے اڑے۔ عربی میں چپل کو نعل کہا جاتا ہے۔ یزدگرد نے اس کو فارسی کے "نالہ" پر محمول کیا، جس کا مطلب آہ وزاری ہوتا ہے اور اس سے یہ بدشگونی لی کہ فارس میں اب رونا دھونا اور آہ وفریاد ہوگی۔ اسی طرح عربی کے لفظ سوط، (یعنی چابک) کو اس نے فارسی کے "سوخت" پر محمول کیا اور اس سے یہ بدشگونی لی کہ یہ لوگ اہل فارس کو جنگ کی آگ میں جلا دیں گے۔ ان تینوں الفاظ کو بدشگونی پر محمول کرنے سے بھی اس خوف اور گھبراہٹ کی عکاسی ہوتی ہے جو اہل فارس پر ان حالات میں طاری تھی۔

تخریج اور اختلاف طرق

سیف بن عمر کی روایت سے یہ واقعہ الکلاعی نے بھی نقل کیا ہے (الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والثلاثۃ الخلفاء 2/446)۔ متن میں بعض جگہ الفاظ کا فرق ہے۔ مثلاً طبری کے متن میں 'وَيُوعِدُ بَعْضُهَا بَعْضًا' کے الفاظ ہیں۔ کلاعی نے اس کی جگہ 'وَيُوغِرُ بَعْضُهَا بَعْضًا' کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ متن میں یہی درج کیے گئے ہیں۔

(4)

عن الشعبی: . . . ثُمَّ قَالَ الْمَلِكُ: سَلْهُم مَا جَاءَ بِكُمْ؟ وَمَا دَعَاكُمْ إِلَى غَزْوِنَا وَالْوُلُوْعِ بِبِلَادِنَا؟ أَمِنْ أَجْلِ أَنَّا أَجْمَنَّاكُمْ وَتَشَاغَلْنَا عَنْكُمْ اجْتَرَأْتُمْ عَلَيْنَا؟ فَقَالَ لَهُمُ النُّعْمَانُ بْنُ مُقَرِّنٍ: إِنْ شِئْتُمْ أَجَبْتُ عَنْكُمْ، وَمَنْ شَاءَ آثَرْتُهُ فَقَالُوا: بَلْ تَكَلَّمْ، وَقَالُوا لِلْمَلِكِ: كَلَامُ هَذَا الرَّجُلِ كَلَامُنَا فَتَكَلَّمَ النُّعْمَانُ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ رَحِمَنَا فَأَرْسَلَ إِلَيْنَا رَسُولًا يَدُلُّنَا عَلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُنَا بِهِ، وَيُعَرِّفُنَا الشَّرَّ وَيَنْهَانَا عَنْهُ، وَوَعَدَنَا عَلَى

إِجَابَتِهِ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، فَلَمْ يَدْعُ إِلَى ذَلِكَ قَبِيلَةً إِلَّا صَارُوا فِرْقَتَيْنِ: فِرْقَةً تُقَارِبُهُ، وَفِرْقَةً تُبَاعِدُهُ، وَلَا يَدْخُلُ مَعَهُ فِي دِينِهِ إِلَّا الْخَوَاصُّ، فَمَكَثَ بِذَلِكَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَمْكُثَ، ثُمَّ أُمِرَ أَنْ يَنْبِذَ إِلَى مَنْ خَالَفَهُ مِنَ الْعَرَبِ، وَبَدَأَ بِهِمْ فَفَعَلَ، فَدَخَلُوا مَعَهُ جَمِيعًا عَلَى وَجْهَيْنِ: مُكْرَهٌ عَلَيْهِ فَاغْتَبَطَ، وَطَائِعٌ أَتَاهُ فَازْدَادَ، فَعَرَفْنَا جَمِيعًا فَضْلَ مَا جَاءَ بِهِ عَلَى الَّذِي كُنَّا عَلَيْهِ مِنَ الْعَدَاوَةِ وَالضِّيقِ، ثُمَّ أَمَرَنَا أَنْ نَبْدَأَ بِمَنْ يَلِينَا مِنَ الْأُمَمِ فَنَدْعُوهُمْ إِلَى الْإِنْصَافِ، فَنَحْنُ نَدْعُوكُمْ إِلَى دِينِنَا، وَهُوَ دِينٌ حَسَّنَ الْحَسَنَ وَقَبَّحَ الْقَبِيحَ كُلُّهُ، فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَأَمْرٌ مِنَ الشَّرِّ هُوَ أَهْوَنُ مِنْ آخَرَ شَرٍّ مِنْهُ: الْجِزَاءُ، فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَالْمُنَاجَزَةُ، فَإِنْ أَجَبْتُمْ إِلَى دِينِنَا خَلَّفْنَا فِيكُمْ كِتَابَ اللهِ، وَأَقَمْنَاكُمْ عَلَيْهِ، عَلَى أَنْ تَحْكُمُوا بِأَحْكَامِهِ، وَنَرْجِعَ عَنْكُمْ وَشَأْنُكُمْ وَبِلَادُكُمْ، وَإِنِ اتَّقَيْتُمُونَا بِالْجِزَاءِ قَبِلْنَا وَمَنَعْنَاكُمْ، وَإِلَّا قَاتَلْنَاكُمْ.

قَالَ: فَتَكَلَّمَ يَزْدَجَرْدُ فَقَالَ: إِنِّي لَا أَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أُمَّةً كَانَتْ أَشْقَى وَلَا أَقَلَّ عَدَدًا وَلَا أَسْوَأَ ذَاتَ بَيْنٍ مِنْكُمْ، قَدْ كُنَّا نُوَكِّلُ بِكُمْ قُرَى الضَّوَاحِي فَيَكْفُونَنَاكُمْ، لَا تَغْزُونَ فَارِسَ وَلَا تَطْمَعُونَ أَنْ تَقُومُوا لَهُمْ، فَإِنْ كَانَ عَدَدٌ لَحِقَ فَلَا يَغُرَّنَّكُمْ مِنَّا، وَإِنْ كَانَ الْجَهْدُ دَعَاكُمْ فَرَضْنَا لَكُمْ قُوتًا إِلَى خَصْبِكُمْ، وَأَكْرَمْنَا وُجُوهَكُمْ وَكَسَوْنَاكُمْ، وَمَلَّكْنَا عَلَيْكُمْ مَلِكًا يَرْفُقُ بِكُمْ.

فَأَسْكَتَ الْقَوْمُ، فَقَامَ الْمُغِيرَةُ بْنُ زُرَارَةَ بْنِ النَّبَّاشِ الْأَسِيدِيُّ، فَقَالَ: أَيُّهَا الْمَلِكُ، إِنَّ هَؤُلَاءِ رُؤُوسُ الْعَرَبِ وَوُجُوهُهُمْ، وَهُمْ أَشْرَافٌ يَسْتَحْيُونَ مِنَ الْأَشْرَافِ، وَإِنَّمَا يُكْرِمُ الْأَشْرَافَ الْأَشْرَافُ، وَيُعَظِّمُ حُقُوقَ الْأَشْرَافِ الْأَشْرَافُ، وَيُفَخِّمُ الْأَشْرَافُ الْأَشْرَافَ، وَلَيْسَ كُلُّ مَا أُرْسِلُوا لَهُ جَمَعُوهُ لَكَ، وَلَا كُلُّ مَا تَكَلَّمْتَ بِهِ أَجَابُوكَ عَلَيْهِ، وَقَدْ أَحْسَنُوا وَلَا يَحْسُنُ بِمِثْلِهِمْ إِلَّا ذَلِكَ، فَجَاوِبْنِي لِأَكُونَ الَّذِي أُبَلِّغُكَ، وَيَشْهَدُونَ عَلَى ذَلِكَ. إِنَّكَ قَدْ وَصَفْتَنَا صِفَةً لَمْ تَكُنْ بِهَا عَالِمًا. فَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ سُوءِ الْحَالِ فَمَا كَانَ أَسْوَأَ حَالًا مِنَّا، وَأَمَّا جُوعُنَا فَلَمْ يَكُنْ يُشْبِهُ الْجُوعَ: كُنَّا نَأْكُلُ الْخَنَافِسَ وَالْجُعْلَانَ وَالْعَقَارِبَ وَالْحَيَّاتِ، فَنَرَى ذَلِكَ طَعَامَنَا. وَأَمَّا الْمَنَازِلُ فَإِنَّمَا هِيَ ظَهْرُ الْأَرْضِ، وَلَا نَلْبَسُ إِلَّا مَا غَزَلْنَاهُ مِنْ أَوْبَارِ الْإِبِلِ وَأَشْعَارِ الْغَنَمِ. دِينُنَا أَنْ يَقْتُلَ بَعْضُنَا بَعْضًا،

وَيُغِيرَ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ، وَإِنْ كَانَ أَحَدُنَا لَيَدْفِنُ ابْنَتَهُ وَهِيَ حَيَّةٌ كَرَاهِيَةَ أَنْ تَأْكُلَ مِنْ طَعَامِنَا.

فَكَانَتْ حَالُنَا قَبْلَ الْيَوْمِ عَلَى مَا ذَكَرْتُ لَكَ، فَبَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْنَا رَجُلًا مَعْرُوفًا نَعْرِفُ نَسَبَهُ، وَنَعْرِفُ وَجْهَهُ وَمَوْلِدَهُ، فَأَرْضُهُ خَيْرُ أَرَاضِينَا، وَحَسَبُهُ خَيْرُ أَحْسَابِنَا، وَبَيْتُهُ أَعْظَمُ بُيُوتِنَا، وَقَبِيلَتُهُ خَيْرُ قَبَائِلِنَا، وَهُوَ بِنَفْسِهِ كَانَ خَيْرَنَا فِي الْحَالِ الَّتِي كَانَ فِيهَا: أَصْدَقُنَا وَأَحْلَمُنَا، فَدَعَانَا إِلَى أَمْرٍ فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ قَبْلَ تِرْبٍ كَانَ لَهُ وَكَانَ الْخَلِيفَةَ مِنْ بَعْدِهِ، فَقَالَ وَقُلْنَا، وَصَدَقْنَا وَكَذَّبْنَا، وَزَادَنَا وَنَقَصْنَا، فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا إِلَّا كَانَ، فَقَذَفَ اللّٰهُ فِي قُلُوبِنَا التَّصْدِيقَ لَهُ وَاتِّبَاعَهُ، فَصَارَ فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فَمَا قَالَ لَنَا فَهُوَ قَوْلُ اللّٰهِ، وَمَا أَمَرَنَا فَهُوَ أَمْرُ اللّٰهِ.

فَقَالَ لَنَا: إِنَّ رَبَّكُمْ يَقُولُ: إِنِّي أَنَا اللّٰهُ وَحْدِي لَا شَرِيكَ لِي، كُنْتُ إِذْ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ وَكُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهِي، وَأَنَا خَلَقْتُ كُلَّ شَيْءٍ، وَإِلَيْهِ يَصِيرُ كُلُّ شَيْءٍ، وَإِنَّ رَحْمَتِي أَدْرَكَتْكُمْ فَبَعَثْتُ إِلَيْكُمْ هَذَا الرَّجُلَ لِأَدُلَّكُمْ عَلَى السَّبِيلِ الَّتِي بِهَا أُنْجِيكُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ عَذَابِي، وَلِأُحِلَّكُمْ دَارِي دَارَ السَّلَامِ. فَنَشْهَدُ عَلَيْهِ أَنَّهُ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ الْحَقِّ، وَقَالَ: مَنْ تَابَعَكُمْ عَلَى هَذَا فَلَهُ مَا لَكُمْ وَعَلَيْهِ مَا عَلَيْكُمْ، وَمَنْ أَبَى فَاعْرِضُوا عَلَيْهِ الْجِزْيَةَ، ثُمَّ امْنَعُوهُ مِمَّا تَمْنَعُونَهُ أَنْفُسَكُمْ، وَمَنْ أَبَى فَقَاتِلُوهُ، فَأَنَا الْحَاكِمُ بَيْنَكُمْ: فَمَنْ قُتِلَ مِنْكُمْ أَدْخَلْتُهُ جَنَّتِي، وَمَنْ بَقِيَ مِنْكُمْ أَعْقَبْتُهُ النَّصْرَ عَلَى مَنْ نَاوَأَهُ. فَاخْتَرْ إِنْ شِئْتَ الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَأَنْتَ صَاغِرٌ، وَإِنْ شِئْتَ فَالسَّيْفُ، أَوْ تُسْلِمُ فَتُنْجِي نَفْسَكَ.

فَقَالَ: أَتَسْتَقْبِلُنِي بِمِثْلِ هَذَا؟ فَقَالَ: مَا اسْتَقْبَلْتُ إِلَّا مَنْ كَلَّمَنِي، وَلَوْ كَلَّمَنِي غَيْرُكَ لَمْ أَسْتَقْبِلْكَ بِهِ. فَقَالَ: لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَقَتَلْتُكُمْ، لَا شَيْءَ لَكُمْ عِنْدِي. وَقَالَ: ائْتُونِي بِوِقْرٍ مِنْ تُرَابٍ فَقَالَ: احْمِلُوهُ عَلَى أَشْرَفِ هَؤُلَاءِ ثُمَّ سَوِّقُوهُ حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ بَابِ الْمَدَائِنِ. ارْجِعُوا إِلَى صَاحِبِكُمْ فَأَعْلِمُوهُ أَنِّي مُرْسِلٌ إِلَيْكُمْ رُسْتُمَ حَتَّى [يَدْفِنَهُ وَجُنْدَهُ] فِي خَنْدَقِ الْقَادِسِيَّةِ، وَيُنَكِّلَ بِهِ وَبِكُمْ مِنْ بَعْدُ. ثُمَّ أُوْرِدُهُ بِلَادَكُمْ، حَتَّى أُشْغِلَكُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ بِأَشَدَّ مِمَّا نَالَكُمْ مِنْ سَابُورَ.

ثُمَّ قَالَ: مَنْ أَشَرَفُكُمْ؟ فَسَكَتَ الْقَوْمُ، فَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَمْرٍو — وَافْتَاتَ لِيَأْخُذَ التُّرَابَ —: أَنَا أَشْرَفُهُمْ، أَنَا سَيِّدُ هَؤُلَاءِ فَحَمِّلْنِيهِ، فَقَالَ: أَكَذَا كَذَا؟ قَالُوا: نَعَمْ، فَحَمَلَهُ عَلَى عُنُقِهِ، فَخَرَجَ بِهِ مِنَ الْإِيوَانِ وَالدَّارِ حَتَّى أَتَى رَاحِلَتَهُ فَحَمَلَهَا عَلَيْهَا، [فَقَالَ لَهُ أَصْحَابُهُ: حَمَلْتَ تُرَابًا؟ قَالَ: نَعَمْ، الفَأْلُ، قَدْ أَمْكَنَكُمُ اللهُ مِنْ أَرْضِهِمْ] ثُمَّ انْجَذَبَ فِي السَّيْرِ، فَأَتَوْا بِهِ سَعْدًا، وَسَبَقَهُم عَاصِمٌ فَمَرَّ بِبَابِ قُدَيسٍ فَطَوَاهُ، فَقَالَ: بَشِّرُوا الْأَمِيرَ بِالظَّفَرِ، ظَفَرْنَا إِنْ شَاءَ اللهُ. ثُمَّ مَضَى حَتَّى جَعَلَ التُّرَابَ فِي الْحَجَرِ، ثُمَّ رَجَعَ فَدَخَلَ عَلَى سَعْدٍ، فَأَخْبَرَهُ الْخَبَرَ، فَقَالَ: أَبْشِرُوا فَقَدْ وَاللهِ أَعْطَانَا اللهُ أَقَالِيدَ مُلْكِهِمْ.

وَجَاءَ أَصْحَابُهُ وَجَعَلُوا يَزْدَادُونَ فِي كُلِّ يَوْمٍ قُوَّةً، وَيَزْدَادُ عَدُوُّهُمْ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَهْنًا، وَاشْتَدَّ مَا صَنَعَ الْمُسْلِمُونَ وَصَنَعَ الْمَلِكُ مِنْ قُبُولِ التُّرَابِ عَلَى جُلَسَاءِ الْمَلِكِ، وَرَاحَ رُسْتُمُ مِنْ سَابَاطٍ إِلَى الْمَلِكِ يَسْأَلُهُ عَمَّا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِهِمْ، وَكَيْفَ رَآهُمْ، فَقَالَ الْمَلِكُ: مَا كُنْتُ أَرَى أَنَّ فِي الْعَرَبِ مِثْلَ رِجَالٍ رَأَيْتُهُمْ، دَخَلُوا عَلَيَّ وَمَا أَنْتُمْ بِأَعْقَلَ مِنْهُمْ وَلَا أَحْسَنَ جَوَابًا مِنْهُمْ. وَأَخْبَرَهُ بِكَلَامِ مُتَكَلِّمِهِمْ، وَقَالَ: لَقَدْ صَدَقَنِي الْقَوْمُ، لَقَدْ وُعِدَ الْقَوْمُ أَمْرًا لَيُدْرِكَنَّهُ أَوْ لَيَمُوتُنَّ عَلَيْهِ، عَلَى أَنِّي قَدْ وَجَدْتُ أَفْضَلَهُمْ أَحْمَقَهُمْ، لَمَّا ذَكَرُوا الْجِزْيَةَ أَعْطَيْتُهُ تُرَابًا فَحَمَلَهُ عَلَى رَأْسِهِ، فَخَرَجَ بِهِ، وَلَوْ شَاءَ اتَّقَى بِغَيْرِهِ، وَأَنَا لَا أَعْلَمُ. قَالَ: أَيُّهَا الْمَلِكُ، إِنَّهُ لَا عَقْلَ لَهُمْ، وَتَطَيَّرَ إِلَى ذَلِكَ وَأَبْصَرَهَا دُونَ أَصْحَابِهِ.

وَخَرَجَ رُسْتُمُ مِنْ عِنْدِهِ كَئِيبًا غَضْبَانَ، وَكَانَ مُنَجِّمًا كَهَّانًا، فَبَعَثَ فِي أَثَرِ الْوَفْدِ، وَقَالَ لِثِقَتِهِ: إِنْ أَدْرَكَهُمُ الرَّسُولُ تَلَافَيْنَا أَرْضَنَا، وَإِنْ أَعْجَزُوهُ سَلَبَكُمُ اللهُ أَرْضَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ. فَرَجَعَ الرَّسُولُ مِنَ الْحِيرَةِ بِفَوَاتِهِمْ، فَقَالَ: ذَهَبَ الْقَوْمُ بِأَرْضِكُمْ غَيْرَ ذِي شَكٍّ، مَا كَانَ مِنْ شَأْنِ ابْنِ الْحَجَّامَةِ الْمُلْكُ! ذَهَبَ الْقَوْمُ بِمَفَاتِيحِ أَرْضِنَا! فَكَانَ ذَلِكَ مِمَّا زَادَ اللهُ بِهِ فَارِسَ غَيْظًا. (تاریخ الطبری 3/498-502)

”شعبی کا بیان ہے: اس کے بعد بادشاہ نے (ترجمان سے) کہا کہ ان سے پوچھو کہ تمھارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟ اور کون سی چیز تمھارے لیے ہم پر حملہ کرنے اور ہمارے علاقے

میں آکر منہ مارنے کا محرک بنی ہے؟ کیا تمھاری جرأت اس وجہ سے ہمارے خلاف بڑھ گئی ہے کہ ہم نے تمھیں اطمینان اور سکون سے رہنے دیا اور تمھیں چھوڑ کر دوسرے دشمنوں کے ساتھ مشغول رہے؟ نعمان بن مقرن نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمھاری طرف سے بادشاہ کو جواب دیتا ہوں اور اگر کوئی اور بات کرنا چاہے تو میں اسی کو موقع دوں گا۔ انھوں نے کہا کہ آپ ہی بات کریں۔ انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ نعمان جو بات کہیں گے، وہی ہم سب کی بات ہو گی۔ چنانچہ نعمان نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی رحمت فرمائی اور ہماری طرف ایک رسول کو بھیجا جو بھلائی کی طرف ہماری رہنمائی کرتا اور اس کی تلقین کرتا رہا اور ہمیں بری باتوں کی پہچان کراتا اور ان سے منع کرتا رہا۔ اس نے ہم سے وعدہ کیا کہ اس کی بات قبول کرنے پر ہمیں دنیا اور آخرت کی بھلائی ملے گی۔ اس نے جس قبیلے کو بھی دعوت دی، وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا: ایک گروہ جو اس کے قریب ہوا اور دوسرا جو اس سے دور ہو گیا اور کچھ خاص افراد ہی اس کے دین میں داخل ہوتے رہے۔ جب تک اللہ نے چاہا، یہی صورت حال رہی۔ پھر اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ عرب کے جو لوگ اس کے مخالف ہیں، وہ ان کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دے۔ پیغمبر نے اہل عرب سے ابتدا کی اور جنگ کا اعلان کیا، چنانچہ تمام اہل عرب اس کے دین میں داخل ہو گئے، البتہ ان میں سے کچھ نے جبراً اس دین کو قبول کیا اور پھر خود کو خوش نصیب پایا، اور کچھ خوش دلی سے پیغمبر کی طرف آئے اور زیادہ اطمینان پایا۔ یوں ہم سب نے جان لیا کہ پیغمبر جو دین ہمارے پاس لایا ہے، وہ اس عداوت اور گھٹن سے بہتر ہے جس میں ہم پہلے مبتلا تھے۔ پھر اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہمارے ارد گرد جو قومیں ہیں، ان کے پاس جائیں اور انھیں انصاف کی طرف دعوت دیں۔ پس ہم (اس کے حکم پر) تمھیں اپنے دین کی طرف دعوت دینے کے لیے آئے ہیں۔ یہ ایسا دین ہے جس نے اچھی باتوں کو اچھا اور سب بری باتوں کو برا قرار دیا ہے۔ اب اگر تم اس کو قبول کرنے سے انکار کرو گے تو تمھارے پاس دو بہت برے انتخاب ہیں جن میں سے ایک، دوسرے سے کم برا ہے: تم جزیہ دینا قبول کر لو اور اگر اس سے بھی انکار کرو گے تو پھر ہماری اور تمھاری جنگ ہو گی۔ ہاں، اگر تم ہمارے دین کو قبول کر لو تو ہم تمھارے پاس اللہ کی کتاب چھوڑ جائیں گے اور تمھیں اس پر قائم کر دیں گے تاکہ تم اس کے احکام کے مطابق فیصلہ کرو اور ہم تمھارے علاقے کو

تمھارے سپرد کر کے یہاں سے چلے جائیں گے۔ اور اگر تم جزیہ دے کر ہماری پناہ اور حفاظت حاصل کرنا چاہو تو ہمارے لیے یہ بھی قابل قبول ہے اور (بدلے میں) ہم تمھاری حفاظت کریں گے۔ اگر یہ بھی نہیں تو پھر ہم تم سے جنگ کریں گے۔

اس کے بعد یزدگرد نے گفتگو کی اور کہا کہ میں روے زمین پر کسی قوم کو نہیں جانتا جو تم سے زیادہ بدحال اور تعداد میں تم سے کم ہو یا جس کے اندر تم سے بڑھ کر پھوٹ پڑی ہوئی ہو۔ ہم اپنی مملکت کے کناروں پر بسنے والوں کو تم پر نظر رکھنے کی ذمہ داری دے دیتے تھے اور وہی تمھیں ہماری طرف بڑھنے سے روکے رکھتے تھے۔ تم فارس پر حملہ نہیں کرتے تھے اور نہ یہ توقع رکھتے تھے کہ ان کا سامنا کر سکو گے۔ اب اگر تمھاری تعداد بڑھ گئی ہے تو یہ چیز تمھیں ہمارے متعلق دھوکے میں مبتلا نہ کرے۔ اور اگر قحط سالی نے تمھیں (ہم پر حملے کے لیے) آمادہ کیا ہے تو ہم تمھارے ہاں خوراک کی فراوانی ہونے تک تمھارے لیے کچھ خوراک مقرر کر دیتے ہیں اور تمھارے سرداروں کے ساتھ تکریم کا معاملہ کرتے اور تمھیں پہننے کے لیے کپڑے دے دیتے ہیں اور تم پر ایک بادشاہ مقرر کر دیتے ہیں، جو تمھارے ساتھ نرمی سے پیش آتا رہے۔

یہ سن کر وفد کے لوگ خاموش رہے۔ تب مغیرہ بن زرارہ بن نباش اسیدی اٹھے اور کہا کہ اے بادشاہ، یہ لوگ عرب کے سردار اور سربرآوردہ لوگ ہیں۔ یہ اصحاب شرف ہیں اور اصحاب شرف (کے ساتھ تلخ کلامی) سے گریز کرتے ہیں۔ اصحاب شرف کی عزت اور ان کے حقوق کی پاس داری اور ان کی تکریم و تعظیم اصحاب شرف ہی بجالاتے ہیں۔ ان کو جو باتیں پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہے، وہ انھوں نے ساری تم سے نہیں کہیں اور تم نے جو باتیں کہی ہیں، انھوں نے ان سب کا جواب بھی نہیں دیا۔ انھوں نے ایک بھلا طریقہ اختیار کیا ہے اور ان جیسے اصحاب شرف کو یہی زیب دیتا ہے، لیکن تم میرے ساتھ سوال و جواب کرو تاکہ میں تمھیں پوری بات پہنچادوں اور یہ لوگ اس کے درست ہونے کی گواہی دیں گے۔ تم نے ہماری اس حالت کو بیان کیا ہے جس کو تم پوری طرح نہیں جانتے۔ مثلاً تم نے ہماری بدحالی کا ذکر کیا تو یقیناً ہم سے زیادہ بدحال قوم کوئی نہیں تھی۔ اور ہمارے ہاں خوراک کی قلت بھی دوسری قوموں جیسی نہیں تھی۔ ہم گوبر کے کیڑے اور بچھو اور سانپ تک کھا جاتے تھے اور انھیں اپنی خوراک سمجھتے تھے۔ رہے ہمارے گھر تو زمین کی پشت ہی ہمارا گھر ہوتی تھی اور ہمارا لباس بھی بس وہی ہوتا تھا

جو ہم اونٹوں اور بکریوں کی اون سے تیار کرتے تھے۔ ہمارا دین یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے کو قتل کرتے اور ایک دوسرے کو لوٹنے کے لیے حملے کرتے رہتے تھے۔ ہمارے کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو اس خدشے سے زندہ دفن کر دیتے تھے کہ وہ ہماری خوراک میں حصہ دار بن جائیں گی۔

آج سے پہلے ہماری حالت یقیناً ایسی ہی تھی، جیسی میں نے تمھیں بتائی ہے۔ پھر اللہ نے ہماری طرف ایک شخص کو بھیجا جو ہمارا جانا پہچانا تھا۔ ہم اس کے نسب سے اور اس کی شخصیت سے اور اس کی جاے ولادت سے خوب واقف تھے۔ اس کا علاقہ پورے عرب کا بہترین علاقہ تھا، اس کا خاندانی شرف ہمارے سب خاندانوں سے اونچا تھا، اس کا گھرانا ہمارے سب گھرانوں سے بڑا اور اس کا قبیلہ ہمارے سب قبیلوں سے بہتر تھا۔ اور وہ بہ ذات خود بھی اپنے کردار میں ہم سب سے بہتر تھا اور ہم سب سے بڑھ کر سچا اور سب سے بڑھ کر صاحب حلم تھا۔ اس نے ہمیں ایک بات کی دعوت دی تو سب سے پہلے جس نے اس کی دعوت قبول کی، وہ اس کا ایک جگری دوست تھا جو اس کے بعد اس کا جانشین بھی بنا۔ اس نے اپنی بات کہی اور ہم بھی جواب میں باتیں کہتے رہے۔ وہ ہم سے سچ کہتا رہا اور ہم اسے جھٹلاتے رہے۔ وہ ہمیں زیادہ دیتا رہا اور ہم اس کے لیے کمی کی کوشش کرتے رہے۔ اس نے جو بات بھی بتائی، وہ اسی طرح پوری ہوئی (جس طرح اس نے کہی تھی)۔ یوں اللہ نے ہمارے دلوں میں اس کی تصدیق کرنے اور اس کی پیروی کرنے کی آمادگی پیدا کر دی اور وہ ہمارے اور جہانوں کے پروردگار کے درمیان ایک نمایندہ بن گیا۔ پس اس نے ہم سے جو کچھ بھی کہا، وہ اللہ کی بات ہے اور ہمیں جو بھی حکم دیا، وہ اللہ کا حکم ہے۔

اس نے ہمیں بتایا کہ تمھارا رب کہتا ہے کہ بے شک، میں ہی تنہا اللہ ہوں اور کوئی میرا شریک نہیں۔ میں اس وقت بھی تھا جب اور کوئی چیز نہیں تھی اور میری ذات کے علاوہ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ میں نے ہی ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز واپس میرے پاس ہی لوٹ کر آنے والی ہے۔ اور میں نے اپنی رحمت سے اس پیغمبر کو تمھاری طرف بھیجا ہے تاکہ اس راستے کی طرف تمھاری رہنمائی کروں جس پر چلنے کی وجہ سے میں مرنے کے بعد تمھیں اپنے عذاب سے محفوظ رکھوں گا اور تمھارا ٹھکانا اپنی جنت میں بناؤں گا۔ سو ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ پیغمبر اس ذات کی طرف سے جو حق ہے، حق ہی لے کر آیا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جو قومیں اس دین میں

تمھاری پیروی قبول کریں، ان کا وہی مقام ہے جو تمھارا ہے اور ان کے وہی فرائض ہیں جو تمھارے ہیں اور جو اسے قبول کرنے سے انکار کرے تو اس سے جزیہ کا مطالبہ کرو۔ پھر ان سب چیزوں سے ان کی بھی حفاظت کرو جن سے اپنی حفاظت کرتے ہو، لیکن جو اس سے بھی انکار کرے، اس کے ساتھ جنگ کرو۔ میں تمھارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہوں: تم میں سے جو شہید ہوں گے، میں انھیں اپنی جنت میں داخل کروں گا اور جو زندہ رہیں گے، میں انھیں ان کے دشمنوں کے خلاف فتح نصیب کروں گا۔ (سوائے بادشاہ)، اگر تم چاہو تو فرماں برداری کے ساتھ زیر دست ہو کر جزیہ دینا قبول کر لو اور اگر چاہو تو تلوار فیصلہ کر دے گی یا پھر اسلام قبول کر کے خود کو نجات سے ہم کنار کر لو۔

یزدگرد نے کہا کہ تم مجھ جیسے فرماں روا سے اس طرح مخاطب ہو؟ مغیرہ نے کہا کہ میں تو اسی سے بات کر رہا ہوں جو میرے ساتھ مخاطب ہے۔ اگر تمھارے علاوہ کوئی اور مجھ سے بات کر رہا ہوتا تو میں تمھیں مخاطب نہ کرتا۔ یزدگرد نے کہا کہ اگر سفیروں کو قتل نہ کرنے کا قانون نہ ہوتا تو میں تم سب کو قتل کرا دیتا۔ میرے پاس تمھارے لیے کچھ نہیں ہے۔ یزدگرد نے (اپنے خادموں سے) کہا کہ مٹی کا ایک ڈھیر لے کر آؤ۔ (جب وہ لائے تو کہا کہ) یہ ڈھیر ان میں سے جو سب سے زیادہ صاحب شرف ہے، اس کو اٹھوا دو۔ پھر اس کو دھکیل دو، یہاں تک کہ وہ مدائن کے دروازے سے باہر نکل جائے۔ (یزدگرد نے وفد کو مخاطب کر کے کہا کہ) تم اپنے امیر کے پاس واپس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ میں تمھاری طرف رستم کو بھیج رہا ہوں تاکہ وہ اس کو اور اس کے لشکر کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے اور تمھیں اور تمھارے امیر کو آیندہ کے لیے نشان عبرت بنا دے۔ اس کے بعد میں رستم کو تمھاری سرزمین کے اندر بھیجوں گا، یہاں تک کہ تمھارے علاقے میں آ کر تمھارا اس سے بھی برا حال کروں جو (ہمارے جد امجد) سابور نے تمھارا کیا تھا۔

پھر یزدگرد نے پوچھا کہ تم میں سب سے بڑھ کر صاحب شرف کون ہے؟ وفد کے لوگ خاموش رہے، لیکن عاصم بن عمرو نے مٹی کو اٹھانے کے لیے از خود یہ کہہ دیا کہ میں ان سب سے زیادہ صاحب شرف ہوں۔ میں ان کا سردار ہوں، اس لیے یہ مٹی مجھے اٹھوا دو۔ یزدگرد نے پوچھا کہ کیا واقعی ایسا ہے؟ اہل فد نے کہا کہ ہاں۔ چنانچہ عاصم نے وہ مٹی اپنی گردن پر اٹھالی اور اسے اٹھا کر دربار سے اور محل سے نکل گئے، یہاں تک کہ اپنی سواری تک پہنچے اور مٹی کو

اس پر لاد لیا۔ عاصم کے ساتھیوں نے پوچھا کہ تم مٹی اٹھالائے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہاں، یہ اچھا شگون ہے۔ اللہ نے ہمیں ان کی زمین پر قبضہ دے دیا ہے۔ پھر عاصم تیز رفتاری سے چلتے ہوئے روانہ ہو گئے اور وہ لوگ اسے لے کر سعد کے پاس پہنچے۔ عاصم ان سے پہلے پہنچ گئے اور باب قدیس سے گزرتے ہوئے (وہاں موجود لوگوں) سے کہا کہ امیر (یعنی سعد بن ابی وقاص) کو کامیابی کی خوش خبری دو، اللہ نے چاہا تو ہم کامیاب ہوں گے۔ پھر وہ گئے اور جا کر اس مٹی کو پتھر پر رکھ دیا (تاکہ وہ بکھر کر ضائع نہ ہو جائے)۔ پھر واپس آ کر سعد کے پاس گئے اور انھیں سارا واقعہ بتایا۔ سعد نے کہا کہ خوش خبری قبول کرو، کیونکہ اللہ نے ہمیں ان کی سلطنت کی چابیاں عنایت کر دی ہیں۔

وفد کے باقی لوگ بھی پہنچ گئے اور (اس واقعے کے بعد) مسلمانوں کی قوت ہر روز بڑھتی رہی اور ان کے دشمن کی بزدلی میں ہر روز اضافہ ہوتا رہا۔ یزدگرد نے مسلمانوں کو مٹی دے کر اور انھوں نے اس کی دی ہوئی مٹی قبول کر کے جو کام کیا تھا، وہ یزدگرد کے درباریوں کو سخت گراں گزرا۔ رستم بھی ساباط سے روانہ ہو کر بادشاہ کے پاس آیا تاکہ اس کے اور اہل عرب کے مابین جو بات چیت ہوئی، اس کے متعلق دریافت کرے اور یہ کہ بادشاہ نے ان کو کیسا دیکھا۔ یزدگرد نے کہا کہ میرا خیال نہیں تھا کہ عرب میں ان جیسے لوگ بھی ہوں گے جن کو میں نے دیکھا ہے۔ وہ میرے پاس آئے اور تم لوگ نہ ان سے زیادہ عقل مند ہو اور نہ ان سے اچھا جواب دے سکتے ہو۔ یزدگرد نے رستم کو اہل عرب کے نمایندے کی باتیں بتائیں اور کہا کہ یہ لوگ مجھ سے بالکل درست بات کہہ رہے تھے۔ ان کے ساتھ واقعی ایسا وعدہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ یا تو اس کو پورا کر کے رہیں گے یا پھر اس کے لیے جان دے دیں گے۔ پھر یہ کہ میں نے ان میں سب سے احمق آدمی کو ان میں سب سے سمجھ دار پایا۔ جب انھوں نے جزیے کا ذکر کیا تو میں نے اسے مٹی دی اور اس نے اسے اپنے سر پر رکھا اور نکل گیا۔ اگر وہ چاہتا تو کسی دوسرے کے سر پر مٹی رکھوا کر خود بچ سکتا تھا، کیونکہ میں نہیں جانتا تھا (کہ وہی ان کا سردار ہے یا نہیں)۔ رستم نے کہا کہ اے بادشاہ، وہ ان میں سب سے زیادہ عقل مند تھا۔ اس نے اس سے شگون لیا اور اس کی اہمیت کو سمجھ لیا، جب کہ اس کے ساتھی نہیں سمجھ سکے۔

رستم بادشاہ کے پاس سے رنجیدہ اور غصے میں بھرا ہوا نکلا۔ وہ خود ایک ستارہ شناس اور کاہن

تھا۔ اس نے وفد کے پیچھے ایک قاصد روانہ کیا اور اپنے قابلِ اعتماد شخص سے کہا کہ اگر قاصد ان تک جا پہنچا (اور ان سے مٹی واپس لے آیا) تو ہم اپنی سرزمین کو بچا لیں گے، لیکن اگر وہ نکل گئے تو سمجھ لو کہ اللہ نے تم سے تمھاری زمین اور تمھارے بیٹے چھین لیے ہیں۔ قاصد حیرہ سے اس اطلاع کے ساتھ واپس آیا کہ وہ ان لوگوں کو نہیں پا سکا۔ رستم نے کہا: یہ لوگ یقیناً تمھاری زمین لے گئے ہیں! (یزدگرد کی بیوقوفی کے متعلق کہا کہ) بادشاہت اس پچھنے لگانے والی کے بیٹے کے بس کی چیز نہیں! یہ لوگ تو ہماری زمین کی کنجیاں لے گئے! اس واقعے نے اہلِ فارس کے غصے میں اور اضافہ کر دیا۔"

لغوی تشریح

'الولوغ': لفظی مطلب جانور کا کسی برتن میں منہ ڈالنا ہوتا ہے۔ 'الولوغ ببلادنا'، یعنی اہل عرب ہمارے زرخیز علاقوں میں آکر منہ مارنا چاہ رہے ہیں۔

'أجمناکم': 'جمام' سے مشتق ہے، جس کا مطلب تھکاوٹ یا مشقت کے بعد آرام کرنا ہوتا ہے۔ 'أجمناکم'، یعنی ہم نے تمھاری سرزمین کو اپنی سلطنت کا حصہ نہیں بنایا اور تمھیں اطمینان اور سکون سے رہنے دیا۔

'الخنافس و الجعلان': 'خنافس'، 'خنفساء' کی اور 'جعلان'، 'جُعَل' کی جمع ہے۔ گوبر کے کیڑوں کی اقسام ہیں۔

'کئیبًا': 'کآبة' سے مشتق ہے، بہ معنی رنج اور غم جس کے آثار چہرے پر نمایاں ہوں۔

'ابْنُ الْحَجَّامَةِ': 'حجامة' پچھنے لگا کر جسم سے خون نکالنے کا ایک طریقہ ہے، جو بہ طور علاج استعمال کیا جاتا ہے۔ رستم نے یہاں یزدگرد کے لیے یہ تعبیر تحقیراً استعمال کی ہے۔ مراد یہ کہ اس نے ایسی حرکت کی ہے جو شاہی خاندان کے کسی فرد سے متوقع نہیں ہو سکتی۔ ایسا کام تو کسی پچھنے لگانے والی کا بیٹا ہی کر سکتا ہے۔

شرح و وضاحت

1۔ نعمان بن مقرن نے اپنی گفتگو میں اختصار کے ساتھ اہل عرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت اور پھر پورے عرب کے حلقۂ بگوش اسلام ہونے کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ انھوں نے شہادت علی الناس کی اس ذمہ داری کو بیان کیا جس کے تحت اہل عرب اردگرد کی اقوام کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے پر مامور کیے گئے تھے۔ یزدگرد نے اس ساری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اہل عرب کے ماضی کے حالات کا ذکر کر کے یہ جتانے کی کوشش کی کہ وہ پہلے کی طرح خوراک کی قلت اور معاشی بدحالی سے مجبور ہو کر فارس کے سرسبز و شاداب علاقے کی طرف آ نکلے ہیں، اس لیے اگر وہ واپس جانا قبول کر لیں تو اہل فارس کی طرف سے ان کے لیے مناسب مدت تک ضروری خوراک اور وسائل وغیرہ کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ اس کے جواب میں مغیرہ بن زرارہ نے مزید وضاحت کے ساتھ یزدگرد کو یہ سمجھایا کہ ماضی میں اہل عرب کی صورت حال اس سے بھی بری تھی جو یزدگرد نے بیان کی ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد صورت حال کی نوعیت بالکل تبدیل ہو چکی ہے اور اب عرب لشکر خوراک حاصل کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کے پیغمبر کی طرف سے دی گئی ایک ذمہ داری پوری کرنے کے لیے آیا ہے۔ مغیرہ نے واضح کیا کہ ہمیں اہل فارس کے مادی وسائل سے کچھ نہیں چاہیے اور اہل فارس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لا کر اپنے معاملات کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کرنا قبول کر لیں تو ہمیں ان کی سلطنت سے کوئی سروکار نہیں ہو گا اور ہم ان کا اقتدار انھی کے سپرد کر کے یہاں سے واپس لوٹ جائیں گے۔ تاہم اگر وہ یہ دعوت قبول نہیں کرتے تو پھر انھیں اقتدار سے دست کش ہو کر مسلمانوں کے زیر دست آنا ہو گا اور جزیہ کی ادائیگی کے بدلے میں مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔

2۔ مغیرہ بن زرارہ کی گفتگو سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر اہل فارس اسلام کی دعوت قبول کر لیتے تو ان سے اپنی سلطنت کو عرب سلطنت میں ضم کر دینا یا اہل عرب کی سیاسی حاکمیت لازماً قبول کرنا مطلوب نہیں تھا۔ ان کی سیاسی خود مختاری حسب سابق قائم رہتی اور وہ بس اس کے پابند ہوتے کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کریں گے۔ اس صورت میں صحابہ دین کی تعلیم دینے کے لیے کچھ معلمین کو اہل فارس کے پاس بھیج دینے سے زیادہ کوئی اقدام نہ کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۂ عرب کے حدود سے باہر جن حکمرانوں کو خطوط لکھے تھے، ان کے مضمون سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ اسلام قبول کر لینے کی صورت میں یہ سب حکمران اپنی خود مختار سیاسی حیثیت کو برقرار رکھ سکتے تھے۔ جزیرۂ عرب کے حدود میں آباد مختلف قبائل اور

گروہوں کا معاملہ، البتہ مختلف تھا اور وہ مدینہ میں قائم اسلامی حکومت کی حاکمیت کو قبول کرنے اور اسے زکوٰۃ ادا کرنے کے پابند تھے۔ انھیں اپنی خود مختار سیاسی حیثیت قائم کرنے یا رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، جیسا کہ آیندہ مباحث میں مانعین زکوٰۃ کے خلاف صحابہ کے اقدامات سے واضح ہو جائے گا۔

3۔ نعمان بن مقرن اور مغیرہ بن زرارہ نے اسلام کی دعوت کی جو تفصیل یزدگرد کے سامنے پیش کی، وہ کوئی پہلا اور ابتدائی تعارف نہیں تھا، جس سے اہل فارس اس سے پہلے واقف نہ ہوں۔ خسرو پرویز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں خط لکھ چکے تھے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ، یہی دعوت انھی شرائط پر پیش کر کے عراق پر حملہ کر چکے تھے۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کی دعوت کی تفصیل ایک تو اتمام حجت کے پہلو سے بیان کی گئی تھی اور دوسرے اس سے مقصود، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حکمت عملی کے مطابق، یہ تھا کہ سرداران فارس اور ان کے عوام کو درست صورت حال سے آگاہ کیا جائے اور ارباب سلطنت کی طرف سے اہل عرب کی آمد کو غلط رنگ دے کر اہل فارس کے جنگی جوش کو بھڑکانے کی جو کوشش کی جا رہی تھی، اس کا پردہ ان کے بیچ میں کھڑے ہو کر چاک کیا جائے۔

4۔ سابور سے یزدگرد کا اشارہ سابور بن ہرمز کی طرف ہے، جو چوتھی صدی عیسوی میں انتہائی کم عمری میں ساسانی سلطنت کا حکمران مقرر ہوا تھا۔ اس کی کم سنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف عرب قبائل نے عراق اور سلطنت فارس کے دیگر علاقوں پر تاخت اور لوٹ مار شروع کر دی تھی اور قبیلۂ ایاد نے عراق کے کچھ حصوں میں سکونت بھی اختیار کر لی تھی۔ جوانی کی عمر کو پہنچنے پر سابور نے اپنے لشکروں کو بھیج کر ان سب قبائل کو بڑے پیمانے پر تہ تیغ کیا اور خصوصاً بنو ایاد کا قتل عام کر کے ان کے بچے کھچے لوگوں کو رومی سلطنت کے علاقوں کی طرف فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کا سزا دینے کا خاص طریقہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کے کندھے اکھڑوا دیتا تھا۔ اسی مناسبت سے سابور ذو الاکتاف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ 1/ 358-359)۔

تخریج اور اختلاف طرق

سیف بن عمر کی روایت سے یہ واقعہ الکلاعی نے بھی نقل کیا ہے (الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والثلاثۃ الخلفاء 2/446-448)۔ متن میں بعض جگہ الفاظ کا فرق ہے۔ مثلاً طبری کے متن میں 'الولوع ببلادنا' کے الفاظ ہیں جس کا مفہوم سرزمین فارس کا دل دادہ اور فریفتہ ہونا بنتا ہے۔ اس کی جگہ کلاعی نے 'الولوغ ببلادنا' (ہمارے علاقے میں منہ مارنے) کے الفاظ نقل کیے ہیں جن کا مفہوم زیادہ واضح ہے۔

اسی طرح طبری کے متن میں 'حتی یدفیکم ویدفیہ' کے الفاظ ہیں۔ ان کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ رستم تمھیں قادسیہ کی خندق میں گرمایش پہنچائے گا، یعنی جنگ کی آگ میں تپائے گا۔ اس کے مقابلے میں کلاعی کے نقل کردہ الفاظ 'حتی یدفنہ وجندہ' زیادہ واضح اور موقع کلام کے مطابق ہیں۔ متن میں انھی کو درج کیا گیا ہے۔

اسی طرح کلاعی کے نقل کردہ متن میں عاصم بن عمرو کے کلام میں درج ذیل جملہ، جو اوپر متن میں بریکٹ میں درج کیا گیا ہے، زائد نقل ہوا ہے اور ان کے مدعا پر زیادہ روشنی ڈالتا ہے:

فَقَالَ لَهُ أَصْحَابُهُ: حَمَلْتَ تُرَابًا؟ قَالَ: نَعَمْ، الفَأْلُ، قَدْ أَمْكَنَكُمُ اللهُ مِنْ أَرْضِهِمْ.

''عاصم کے ساتھیوں نے پوچھا کہ تم مٹی اٹھا لائے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہاں، یہ اچھا شگون ہے۔ اللہ نے تمھیں ان کی زمین پر قبضہ دے دیا ہے۔''

[باقی]

سید منظور الحسن

اسرا و معراج

تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی

[محمد حسن الیاس کے ساتھ ایک مکالمے سے لیا گیا]

(5)

2۔ واقعۂ قاب قوسین

—— دو کمانوں کے برابر فاصلہ ——

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی. مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰی. وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی. اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُّوۡحٰی. عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ الۡقُوٰی. ذُوۡ مِرَّةٍ فَاسۡتَوٰی. وَهُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی. ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی. فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی. فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی. مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی. اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰی مَا يَرٰی. (النجم 53: 1-12)

”تارے گواہی دیتے ہیں، جب وہ گرتے ہیں کہ تمھارا رفیق نہ بھٹکا ہے، نہ بہکا ہے۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ (قرآن) تو ایک وحی ہے، جو اُسے کی جاتی ہے۔ اُس کو ایک زبردست قوتوں والے نے تعلیم دی ہے، جو بڑا صاحب کردار، بڑا صاحب حکمت ہے۔ چنانچہ وہ نمودار

ہوا، اِس طرح کہ وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا۔ پھر قریب ہوا اور جھک پڑا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔ جو کچھ اُس نے دیکھا، وہ دل کا وہم نہ تھا۔ اب کیا تم اُس چیز پر اُس سے جھگڑتے ہو، جو وہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے؟‘‘

پس منظر

سورۂ نجم کی یہ آیات کہانت کے اُس الزام کی تردید میں نازل ہوئی ہیں، جو قریش کے لیڈر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے تھے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو قرآن سناتے تو وہ اُس کے اسلوب کی ندرت، اُس کی زبان کے اعجاز اور اُس کے بیان کی حلاوت سے مسحور ہو جاتے۔ اِسی طرح آپ اُنھیں نزولِ وحی کے بارے میں اپنے تجربات و مشاہدات سے بھی آگاہ فرماتے تھے۔ اِس کے نتیجے میں لوگ فطری طور پر آپ کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ قریش کی قیادت کو یہ گوارا نہ تھا کہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوں اور آپ کے کلام کو من جانبِ اللہ ماننے لگ جائیں۔ اِس صورت حال میں اُنھیں اپنی بقا کا یہی راستہ نظر آیا کہ آپ کی زبان پر جاری ہونے والے کلام اور اُس کے نزول سے متعلق لوگوں میں بد اعتمادی پیدا کریں۔ اِس مقصد کے لیے جہاں اُنھوں نے آپ کو شاعر اور مجنون کہا، وہاں یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ آپ، معاذ اللہ، کاہن اور منجم ہیں۔ دلیل یہ تھی کہ آپ کا کلام مسجع و مقفیٰ بھی ہے، اِس میں غیب کی خبریں بھی ہیں اور اِسے آسمانی فرشتوں سے منسوب بھی کیا جاتا ہے۔ یہ دلیل، ظاہر ہے کہ اِس بنا پر تھی کہ کاہن اور منجم منظوم اور مسجع منتر پڑھتے تھے، مستقبل کا حال بتاتے تھے اور اپنی اِن خرافات کو جنات اور آسمانی روحوں کا القا قرار دیتے تھے۔

اِس اتہام و الزام کے جواب میں قرآنِ مجید نے قریش مکہ کو مخاطب کیا اور بہ دلائل اُن کے باطل خیالات کی تردید فرمائی۔ اِس ضمن میں اِن حقائق کو نمایاں کیا گیا:

ایک حقیقت یہ واضح فرمائی کہ اے قریش مکہ، تمھارے یہ رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بھٹکے ہیں اور نہ بہکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے یہ ہم نشیں جو اِس وقت نبوت کا اعلان کر رہے ہیں، تمھی میں پیدا ہوئے اور تمھی میں پروان چڑھے ہیں۔ اِن کی تمام عمر تمھارے ساتھ

گزری ہے۔ اِن کی صفات اور اِن کا ماضی و حال تمھارے سامنے ہے۔ اِسی بنا پر تم اِنھیں صادق اور امین کہتے اور اِن کے اخلاق و کردار کے قصیدے پڑھتے رہے ہو۔ اب جیسے ہی اِنھوں نے نبوت کا اعلان کیا ہے تو تم اِنھیں کاہن قرار دے کر، معاذ اللہ، بھٹکا ہوا اور بہکا ہوا قرار دے رہے ہو۔ یہ سراسر بہتان ہے۔ جان رکھو کہ نہ اِنھوں نے راہ گم کی ہے اور نہ راستے سے بھٹکے ہیں۔ یہ اپنے پروردگار کی صراطِ مستقیم پر گام زن ہیں۔ بھٹکے ہوئے تو تم ہو، جو سب کچھ جانتے بوجھتے اِنھیں کاہن اور منجم کہہ کر اِن کی نبوت کا انکار کر رہے ہو۔

دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ اے قریش، تمھارے یہ رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو قرآن تمھارے سامنے پڑھتے ہیں، اُس کا تعلق نہ اُن کی اپنی ذات سے ہے اور نہ نفس کی خواہشوں سے ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے، جو تمھاری ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ یہ اللہ کی وحی کی صورت میں پیغمبر تک پہنچتا ہے اور وہ اِس میں کوئی ردوبدل، کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کرتے۔

تیسری بات یہ ارشاد کی ہے کہ وحی کی یہ تعلیم حضرت جبریل علیہ السلام جیسے زبردست قوتوں والے جلیل القدر فرشتے نے دی ہے۔ وہ شدید القویٰ ہے، یعنی اِس کام کے لیے تمام اعلیٰ صفات سے متصف اور غیر معمولی قوت و صلاحیت کا حامل ہے۔ آسمانوں سے زمین تک کے سفر میں نہ کوئی اُس کی بات کو اچک سکتا ہے اور نہ اُس میں دراندازی کی ہمت کر پاتا ہے۔ وہ باکردار اور صاحبِ حکمت و دانش بھی ہے۔ اِن اوصاف کی وجہ سے وہ اللہ کے رسول تک ٹھیک ٹھیک وہی پیغام، وہی علم اور وہی تعلیم پہنچاتا ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا ہے۔ وہ اُس میں کوئی تصرف نہیں کرتا۔ کوئی فرشتہ، کوئی جن، کوئی انسان یا کائنات کی کوئی اور مخلوق اُسے مرعوب کر کے یا دھوکا دے کر اُس سے اِس کام میں غلطی کا ارتکاب بھی نہیں کرا سکتی۔[1]

امام امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

---

[1]۔ سورۂ تکویر میں حضرت جبریل علیہ السلام کی صفات کو اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے: 'اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ. ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ. مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ'، ''بے شک، یہ ایک رسولِ کریم کا لایا ہوا کلام ہے، بہت صاحبِ قوت، عرش والے کے ہاں بہت بلند مرتبہ، اُس کا حکم وہاں مانا جاتا ہے اور وہ نہایت امین بھی ہے۔'' (81:19-21)

”...اُس (فرشتے) کی ہر صفت و صلاحیت نہایت محکم و مضبوط ہے۔ اِس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ کوئی دوسری روح اُس کو متاثر یا مرعوب کر سکے، اُس سے خیانت کا ارتکاب کرا سکے یا اُس کی تعلیم میں کوئی خلطِ مبحث کر سکے یا اُس سے کوئی فروگذاشت ہو سکے یا اُس کو کوئی وسوسہ لاحق ہو سکے۔ اِس طرح کی تمام کمزوریوں سے اللہ تعالیٰ نے اُس کو محفوظ رکھا ہے تاکہ جو فرض اُس کے سپرد فرمایا ہے، اُس کو وہ بغیر کسی خلل و فساد کے پوری دیانت و امانت کے ساتھ ادا کر سکے۔... وہ اپنی عقل اور اپنے کردار میں نہایت محکم ہے۔ اِس کا امکان نہیں ہے کہ وہ کوئی دھوکا کھا سکے یا کوئی اُس کو دھوکا دے سکے یا وہ کسی کے ہاتھ بک سکے اور کوئی اُس کو خرید سکے۔“

(تدبر قرآن 8/ 53-54)

تفصیل

اِس پس منظر میں وہ واقعہ بیان ہوا ہے، جب حضرت جبریل علیہ السلام پہلی مرتبہ اپنی اصل صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے۔

اِس کی جو تفصیل آیات سے مفہوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے:

* واقعے کا آغاز اِس طرح ہوا کہ جبریل امین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے افق اعلیٰ پر نمودار ہوئے۔[2] آیت کے اسلوب سے واضح ہے کہ وہ اپنی اصل صورت میں[3] اور پورے قد و قامت کے ساتھ ظاہر ہوئے[4] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ بیداری میں کھلی آنکھوں سے اُن کا مکمل مشاہدہ کیا۔ ”البیان“ میں ہے:

---

[2]۔ یعنی افق کا وہ بالائی کنارہ جو زمین کے اوپر بالکل سیدھی سمت میں ہوتا ہے، جہاں چودھویں رات کا چاند پوری تابانی کے ساتھ نظر آتا ہے یا جہاں سورج نصف النہار کے وقت قائم ہوتا ہے۔

[3]۔ یہ اُن کا معمول نہ تھا۔ عام طور پر وہ انسانی شکل میں یا کسی اور صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے۔

[4]۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا قد و قامت ایسا تھا، گویا اُس نے پورے آسمان کا احاطہ کیا ہوا اور اُن کے 6 سو سے زیادہ پر تھے۔

”اصل میں ’اَلْاُفُقُ الْاَعْلٰی‘ کے الفاظ آئے ہیں، یعنی وہ افق جو سمتِ راس میں ہوتا ہے۔ یہ پہلی وحی اور جبریل امین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ملاقات کا ذکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل جلی اور غیر مشتبہ صورت میں اِس طرح نمودار ہوئے، جس طرح ماہِ تمام یا مہرِ نیم روز نمودار ہوتا ہے اور پیغمبر نے کھلی آنکھوں کے ساتھ اُن کا مشاہدہ کیا۔“(5/ 65)

* پھر وہ زمین پر موجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکے۔ یعنی پورے التفات، بھرپور اہتمام اور کمال شفقت کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔[5] استاذِ گرامی نے لکھا ہے:

”(’ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی‘ پھر قریب ہوا اور جھک پڑا)۔ یہ اُس التفات و اہتمام اور غایت شفقت کا بیان ہے، جس کے ساتھ جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی تاکہ جو ہدایات آپ کو دی جا رہی ہیں، آپ اُنھیں اچھی طرح سن اور سمجھ لیں۔“(البیان 5/ 65)

* اِس کے بعد جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت قریب آگئے۔ اتنے قریب کہ اُن کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا۔

* اِس قدر قریب آکر اُنھوں نے آپ کو وہ وحی پہنچائی، جو وہ اللہ کی طرف سے لے کر آئے تھے۔[6]

---

[5]۔ امام امین احسن اصلاحی نے اِس کی مزید وضاحت اِن الفاظ میں کی ہے:

”...یعنی یہ نہیں ہوا کہ دور سے اپنی بات پھینک ماری ہو اور اِس امر کی پروانہ کی ہو کہ آپ نے بات اچھی طرح سنی یا نہیں اور سنی تو سمجھی یا نہیں، بلکہ پورے التفات و اہتمام سے اِس طرح آپ کے کان میں بات ڈالی کہ آپ اچھی طرح سن اور سمجھ لیں۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ کاہنوں کے شیاطین کا جو علم ہوتا ہے، اُس کو قرآن نے ’خَطِفَ الْخَطْفَةَ‘ (الصافات 37: 10) سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اچکی ہوئی بات، جس طرح چور اور اچکے کوئی چیز اچک لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب استاد اچکے ہیں تو وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم بھی اچکوں ہی کی طرح دیتے ہوں گے۔ قرآن نے یہاں حضرت جبریل علیہ السلام کے طریقۂ تعلیم کو اِس لیے نمایاں فرمایا ہے کہ دونوں کا فرق اچھی طرح واضح ہو سکے۔“(تدبر قرآن 8/ 54-55)

[6]۔ تاہم، یہ واقعہ چونکہ قرآنِ مجید کی حقانیت پر استدلال کے لیے بیان ہوا ہے، اِس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ اِس موقع پر قرآن ہی کا کوئی حصہ وحی کیا گیا ہو گا۔

سورۂ نجم کے اِس مقام پر چونکہ واقعے کی نوعیت اور حقیقت کو بیان کرنا مقصود ہے، اِس لیے وحی کے مندرجات کی تفصیل نہیں کی گئی۔

درجِ بالا تفصیل سے واقعۂ قاب قوسین کے حوالے سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں:

1۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بیدار تھے۔

2۔ آپ نے دیکھا کہ آسمان کے انتہائی بلند مقام سے حضرت جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے۔

3۔ وہ اپنی اصل صورت میں تھے۔

4۔ پھر وہ آپ کے نہایت قریب آ گئے، اتنے قریب کہ آپ میں اور اُن میں گویا دو کمانوں کے بہ قدر فاصلہ رہ گیا۔

5۔ پھر اُنھوں نے قرآن کا وہ حصہ آپ کو وحی کیا، جو اللہ نے اُنھیں دے کر بھیجا تھا۔

6۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا مشاہدہ عالم بیداری میں کھلی آنکھوں سے کیا۔

7۔ واقعے کی تفصیل اور سیاق وسباق سے واضح ہے کہ یہ ایک مکمل واقعہ ہے اور منفرد طور پر ظہور پذیر ہوا ہے۔ کسی دوسرے واقعے سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

8۔ قاب قوسین (دو کمانوں کے برابر فاصلہ) عربی زبان کا محاورہ ہے، جس کے معنی نہایت قریب ہونے کے ہیں۔

جو باتیں واقعے میں مذکور نہیں ہیں، وہ یہ ہیں:

1۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں موجود تھے۔

2۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ دن کے اوقات میں پیش آیا یا رات کے اوقات میں۔

3۔ یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو وحی پہنچائی گئی، وہ کیا تھی۔

تفہیم

آیات کی توضیح و تفہیم کے اہم نکات درجِ ذیل ہیں:

اولاً، حضرت جبریل علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نزدیکی اور قرب کے اظہار کے لیے ’فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی وہ آپ کے اِس قدر قریب ہو گئے کہ

درمیانی فاصلہ دو کمانوں کے برابر یا اُس سے بھی کم رہ گیا۔[7] اِس سے مقصود باہمی فاصلے کا تعین نہیں، بلکہ نہایت درجہ تقرب کو بیان کرنا ہے۔ ''البیان'' میں ہے:

''یہ تشبیہ اہل عرب کے ذوق کے لحاظ سے ہے اور غایت قرب واتصال کی تعبیر کے لیے آئی ہے۔ اِس میں 'اَوْ' اِس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پیشِ نظر محض قرب کا بیان ہے، اِس سے مقدارِ فاصلہ کی تعیین مقصود نہیں ہے۔ یہ کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔''(5/65)

ثانیاً، 'فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی' (پھر اُس نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی) میں 'عَبْدِہٖ' کے الفاظ سے واضح ہے کہ 'فَاَوْحٰی' کا فاعل جبریل علیہ السلام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ وحی کا اصل منبع اور ماخذ چونکہ اللہ تعالیٰ ہیں، اِس لیے اگر وہ اِس کے ابلاغ وارسال کے لیے کسی فرشتے کا توسط اختیار کرتے ہیں تو اِس سے وحی کے فعل کی اُن سے نسبت پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔[8] 'عَبْدِہٖ' کی ضمیرِ اضافت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ماننا لازم ہے۔ اِسے جبریل سے منسوب کرنے سے شرک کا مفہوم پیدا ہو گا، جس کی قرآن میں کوئی گنجایش نہیں ہو سکتی۔ قرآن وسنت اِس پر قطعی ہیں کہ تمام مخلوقات کے لیے معبود کی حیثیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، لہٰذا بندگی کا تعلق فقط اُسی سے قائم ہو سکتا ہے۔

ثالثاً، واقعے کی نوعیت کو بیان کرنے کے لیے 'مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی. اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی' (جو کچھ اُس نے دیکھا، وہ دل کا وہم نہ تھا۔ اب کیا تم اُس چیز پر اُس سے جھگڑتے ہو، جو وہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے؟) کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مشاہدہ فرمایا، وہ عالم بیداری میں اور کھلی آنکھوں کے ساتھ تھا۔ گویا نہ یہ رؤیا تھا، جو اللہ نے نیند کے عالم میں آپ کو دکھایا اور نہ ایسی تمثیل تھی، جو من جانبِ اللہ آپ کے

---

[7]۔ یہ اُسی طرح کا اسلوب ہے، جس طرح ہم ایک گز یا دو گز کے الفاظ بولتے ہیں۔ (تدبر قرآن 8/55)

[8]۔ 'فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی' میں 'اَوْحٰی' کا فاعل بادی النظر میں حضرت جبریل کو بھی مانا جا سکتا ہے۔ اِس بنا پر بعض صوفیہ نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے، معاذ اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل کا بندہ قرار دیا ہے۔ یہ سراسر باطل مفہوم ہے۔ قرآنِ مجید کے عرف اور اسلوب کا لحاظ رہے تو اِس مفہوم کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔

قلب و ذہن پر نقش کر دی گئی تھی۔[9] یہ حسی مشاہدہ تھا، جو آپ نے تمام ظاہری حواس اور پورے شعور و ادراک کے ساتھ کیا تھا۔ امام امین احسن اصلاحی سورہ کے اِس جز کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس مشاہدے کی تصدیق و تصویب ہے کہ کوئی اِس مشاہدے کو دل کی خیال آرائی اور نفس کے فریب پر محمول نہ کرے، یہ فریبِ نفس اور دھوکا نہیں، بلکہ فی الحقیقت نبی کو یہ مشاہدہ ہوا ہے۔...

وہ جو کچھ آنکھوں سے دیکھتا ہے اور کانوں سے سنتا ہے، اُس سے تم کو آگاہ کر رہا ہے۔ اگر یہ چیز تم کو نظر نہیں آتی تو اِس سے نفس حقیقت باطل نہیں ہو جائے گی۔“

(تدبر قرآن 8/ 55-56)

رابعاً، واقعۂ قاب قوسین، یعنی جبریل امین کا افق سے نمودار ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریب ہو جانے کا واقعہ اِسی قدر ہے، جتنا اِس مقام پر بیان ہوا ہے۔ آیات کے الفاظ اور اسالیب اِس کے بیان کی تکمیل پر دلالت کرتے ہیں۔ مزید برآں، قرآنِ مجید میں کسی اور مقام پر اِس سے متعلق کوئی اضافی یا ضمنی بات مذکور نہیں ہے۔ اِس لیے لازم ہے کہ اِسے ایک متعین، منفرد اور مکمل واقعے کی حیثیت سے قبول کیا جائے اور قرآن و حدیث کے کسی دوسرے واقعے کو اِس کے ساتھ جوڑنے کی سعی نہ کی جائے۔

خامساً، سورۂ نجم کی مذکورہ آیات میں حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں بیان ہوا ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى. ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى. وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى. ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى. فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى. (53:5-9)

”اُس کو ایک زبردست قوتوں والے نے تعلیم دی ہے، جو بڑا صاحبِ کردار، بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ چنانچہ وہ نمودار ہوا، اِس طرح کہ وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا۔ پھر قریب ہوا اور جھک پڑا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا

---

[9]۔ واضح رہے کہ یہ دونوں صورتیں بھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آتی تھیں تو من جانب اللہ اور مبنی بر حق ہوتی تھیں۔

اُس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔‘‘

بعض علما و مفسرین نے یہاں جبریل علیہ السلام کے بجاے اللہ تعالیٰ کو مراد لیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بات چند وجوہ سے درست نہیں ہے:

ایک یہ کہ ’شَدِیْدُ الْقُوٰی‘، ’ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی‘ اور ’دَنَا فَتَدَلّٰی‘ کے اسالیب جس انداز سے آئے ہیں، وہ اللہ پروردگارِ عالم کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا۔ اِس میں صلاحیتوں، صفات اور افعال کا اسلوبِ بیان مخلوقات کی نسبت سے زیادہ مناسب حال ہے۔

دوسرے یہ کہ سورۂ تکویر (81) میں حضرت جبریل علیہ السلام کی بعض صلاحیتوں کا ذکر ہوا ہے تو کم و بیش اِسی طرح کے اسالیب اختیار کیے گئے ہیں۔ لہٰذا ’القرآن یفسر بعضہ بعضًا‘ کے اصول پر یہاں جبریل ہی کو مراد لیا جائے گا۔ ارشاد ہے:

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ. ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ. مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ.(19-21)	’’بے شک، یہ ایک رسولِ کریم کا لایا ہوا کلام ہے۔ بہت صاحبِ قوت، عرش والے کے ہاں بہت بلند مرتبہ، اُس کا حکم وہاں مانا جاتا ہے اور وہ نہایت امین بھی ہے۔‘‘

امام امین احسن اصلاحی سورہ کے اِن الفاظ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

’’یہ اُس فرشتہ (حضرت جبریل علیہ السلام) کی صفت بیان ہو رہی ہے، جس نے اِس کلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی۔ فرمایا کہ وہ ’شَدِیْدُ الْقُوٰی‘ یعنی تمام اعلیٰ صفات اور صلاحیتوں سے بھرپور اور اُس کی ہر صفت و صلاحیت نہایت محکم و مضبوط ہے۔ اِس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ کوئی دوسری روح اُس کو متاثر یا مرعوب کر سکے، اُس سے خیانت کا ارتکاب کرا سکے یا اُس کی تعلیم میں کوئی خلطِ مبحث کر سکے یا اُس سے کوئی فروگذاشت ہو سکے یا اُس کو کوئی وسوسہ لاحق ہو سکے۔ اِس طرح کی تمام کمزوریوں سے اللہ تعالیٰ نے اُس کو محفوظ رکھا ہے تاکہ جو فرض اُس کے سپرد فرمایا ہے، اُس کو وہ بغیر کسی خلل و فساد کے پوری دیانت و امانت کے ساتھ ادا کر سکے۔ سورۂ تکویر میں اِس فرشتہ کی تعریف یوں آئی ہے: ’اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ. ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ. مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ‘۔...

’ذُوْ مِرَّۃٍ‘۔ یعنی وہ اپنی عقل اور اپنے کردار میں نہایت محکم ہے۔ اِس کا امکان نہیں ہے کہ وہ

کوئی دھوکا کھا سکے یا کوئی اُس کو دھوکا دے سکے یا وہ کسی کے ہاتھ بک سکے اور کوئی اُس کو خرید سکے۔ یہ لفظ اخلاقی و عقلی برتری کے لیے آتا ہے۔“(تدبر قرآن 8/ 53-54)

تیسرے یہ کہ سورۂ نجم کے زیرِ بحث تمہیدی بیان کا اختتام آیت 18 کے جن الفاظ پر ہوا ہے، اُن سے واضح ہے کہ یہاں مذکورہ مشاہدات کے بہ شمول جو مشاہدات بھی کرائے گئے ہیں، اُن کا تعلق آیاتِ الٰہی سے ہے۔ ذاتِ الٰہی سے اُن کا تعلق نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰی۔ ”اُس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی ہیں۔“

امام امین احسن اصلاحی نے اِس آیت کے حوالے سے لکھا ہے:

”یہ بیان ہے اُن مشاہدات کا جو اِس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئے۔ فرمایا کہ اُس نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔ اِن نشانیوں کی کوئی تفصیل نہیں فرمائی کہ نہ الفاظ اِن کے متحمل ہو سکتے اور نہ وہ ہماری عقل کی گرفت میں آ سکتیں۔ تاہم، لفظ کُبۡرٰی‘ دلیل ہے کہ یہ نشانیاں اُن نشانیوں سے بالاتر تھیں، جن کا مشاہدہ، آفاق و انفس میں، ہر قدم پر، ہر صاحبِ نظر کو ہوتا رہتا ہے۔... تاہم، یہ امر ملحوظ رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ صرف اپنے رب کی نشانیوں ہی کا ہوا، خود اللہ تعالیٰ کے مشاہدے کا کوئی اشارہ یہاں نہیں ہے۔“(تدبر قرآن 8/ 57)

[باقی]

تحقیق و تالیف: ڈاکٹر محمد عامر گزدر

صلاۃ التسبیح: فقہ و حدیث کی روشنی میں

[ایک تحقیقی مطالعہ]

(3)

اصولِ علمِ روایت کی روشنی میں احادیثِ باب کی تحقیق و تخریج

صلاۃ التسبیح کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بعض کتبِ حدیث و آثار میں جو کچھ نقل ہوا ہے، وہ آپ سے منسوب بعض قولی روایتیں ہیں۔ کوئی فعلی روایت، البتہ اِس باب میں آپ کی نسبت سے کہیں نقل نہیں ہوئی ہے، جس میں یہ بیان ہوا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ التسبیح کی یہ نماز کبھی پڑھی تھی۔ اِس موضوع کی قولی روایتیں متعدد صحابہ سے نقل ہوئی ہیں۔ ذیل میں اِن روایتوں کا علمِ حدیث کی روشنی میں قارئین کی خدمت میں ایک تحقیقی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے ابو رافع قبطی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی تخریج و تحقیق پیش خدمت ہے۔

1۔ حدیث ابی رافع رضی اللہ عنہ

عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلى الله عَلَيهِ وَسَلَّم لِلْعَبَّاسِ: يَا عَمِّ، أَلَا أَصِلُكَ، أَلَا أَحْبُوكَ، أَلَا أَنْفَعُكَ، قَالَ: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: ”يَا عَمِّ، صَلِّ أَرْبَعَ

رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ وَسُورَةٍ، فَإِذَا انْقَضَتِ القِرَاءَةُ، فَقُلْ: اللّٰهُ أَكْبَرُ، وَالحَمْدُ لِلّٰهِ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً قَبْلَ أَنْ تَرْكَعَ، ثُمَّ ارْكَعْ فَقُلْهَا عَشْرًا، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا، ثُمَّ اسْجُدْ فَقُلْهَا عَشْرًا، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا، ثُمَّ اسْجُدْ فَقُلْهَا عَشْرًا، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا قَبْلَ أَنْ تَقُومَ، فَتِلْكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَهِيَ ثَلَاثُ مِائَةٍ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ، وَلَوْ كَانَتْ ذُنُوبُكَ مِثْلَ رَمْلِ عَالِجٍ غَفَرَهَا اللّٰهُ لَكَ"، قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَنْ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَقُولَهَا فِي يَوْمٍ، قَالَ: "إِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ أَنْ تَقُولَهَا فِي يَوْمٍ فَقُلْهَا فِي جُمُعَةٍ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ أَنْ تَقُولَهَا فِي جُمُعَةٍ فَقُلْهَا فِي شَهْرٍ، فَلَمْ يَزَلْ يَقُولُ لَهُ، حَتَّى قَالَ: فَقُلْهَا فِي سَنَةٍ".

"ابو رافع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے چچا) عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا، کیا میں آپ کے ساتھ صلۂ رحمی نہ کروں، کیا میں آپ کو ایک تحفہ دے کر آپ کو نفع نہ پہنچاؤں؟ اُنھوں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا: چچا جان، آپ اِس طرح چار رکعت نماز پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھ کر فارغ ہوں تو رکوع میں جانے سے پہلے پندرہ مرتبہ کہیں: اللہ اکبر، الحمد للہ، سبحان اللہ، لا الٰہ الا اللہ۔ پھر رکوع میں جائیں تو دس مرتبہ یہی کلمات رکوع میں کہیں، پھر اپنا سر اٹھائیں تو یہی کلمات دس مرتبہ رکوع سے کھڑے ہو کر کہیں۔ پھر سجدے میں جائیں تو یہی کلمات دس مرتبہ کہیں، پھر سر اٹھائیں تو دس مرتبہ یہی کلمات دہرائیں۔ پھر دوسرے سجدے میں جائیں تو دس مرتبہ یہی کلمات کہیں، پھر سجدے سے اپنا سر اٹھائیں تو کھڑے ہونے سے پہلے (بیٹھ کر) دس مرتبہ یہی کلمات دہرائیں۔ اِس طرح ہر رکعت میں اِن کلمات کی تکرار 75 مرتبہ ہو جائے گی اور چار رکعتوں میں یہ تعداد کل تین سو ہو گی۔ پھر اگر آپ کے گناہ ریت کے ایک ٹیلے کے برابر بھی ہوئے تو (اِس نماز کے نتیجے میں) اللہ تعالیٰ آپ کو بخش دے گا۔ اُنھوں نے عرض کیا: روزانہ (نماز میں) اتنے کلمات کہنے کی استطاعت کون رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا: آپ روزانہ یہ کلمات نہیں پڑھ سکتے تو ہر جمعہ کو پڑھ لیا کریں اور اگر ہر جمعہ کو بھی نہیں پڑھ سکتے تو ہر مہینے پڑھ لیں۔ آپ یہی فرماتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: پھر سال میں آپ اِسے ایک مرتبہ پڑھ لیں۔"

اِس روایت کا متن امام ترمذی (المتوفی: 279ھ) کی السنن، رقم 482 سے لیا گیا ہے۔

حدیث ابی رافع کے مصادر

سنن ترمذی سے ماخوذ مندرجہ بالا حدیثِ ابی رافع کے دوسرے طرق الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ جن مصادرِ اصلیہ میں نقل ہوئے ہیں، اپنی زمانی ترتیب کے لحاظ سے وہ درجِ ذیل ہیں:

1۔ السنن، ابن ماجہ (المتوفی: 273ھ)، رقم 1386۔

2۔ المسند، رویانی (المتوفی: 307ھ)، رقم 699۔

3۔ المعجم الکبیر، طبرانی (المتوفی: 360ھ)، رقم 987۔

4۔ السنن الصغریٰ، بیہقی (المتوفی: 458ھ)، رقم 831۔

5۔ شعب الایمان، بیہقی (المتوفی: 458ھ)، رقم 602۔

روایت کے اِن مراجع کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ حدیث وآثار کے اصلی مصادر میں سے صرف مندرجہ بالا چھ مراجع ہیں، جن میں حدیثِ ابی رافع کی تخریج ہوئی ہے۔ یعنی باقی مراجعِ اصلیہ اِس روایت کے ذکر سے بالکل خالی ہیں۔

دوسرے یہ کہ تیسری صدی ہجری کے وسط تک ابو رافع کی یہ روایت حدیث وآثار کی کسی کتاب میں نقل نہیں ہوئی تھی۔

تیسرے یہ کہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں ترمذی اور ابن ماجہ نے، اِسی صدی کے آخر میں رویانی نے، چوتھی صدی ہجری میں طبرانی نے اور پانچویں صدی ہجری میں صرف بیہقی نے اِس روایت کو نقل کیا ہے۔ یعنی اِن تین صدیوں کے علماے حدیث میں سے صرف پانچ علما نے اِس روایت کو اپنی مدونات میں درج کرنے کے قابل سمجھا ہے۔

تحقیقِ اسانید اور روایت کا حکم

حدیث ابی رافع کے مندرجہ بالا طرق کی اسانید کے نقد و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمۂ رجال کے نزدیک حدیث ابی رافع کے اِن تمام طرق کی اسانید میں، بہ شمول ترمذی کے طریق کے، متعدد مجروح راوی موجود ہیں۔ تاہم فنِ حدیث کی رو سے اِن کی اسانید پر حکم لگانے کے لیے فیصلہ کن حیثیت جن ناقابل اعتبار راویوں کو حاصل ہے، وہ درج ذیل دو ہیں:

ایک موسیٰ بن عبیدۃ الربذی ہیں، جو ائمۂ محدثین کے نزدیک 'منکر الحدیث' اور انتہائی ضعیف

راوی ہیں۔[1]

دوسرے سعید بن ابی سعید الانصاری ہیں۔ یہ علماے رجال کے نزدیک ایک 'مجہول'، یعنی نامعلوم راوی ہیں۔[2] شعب الایمان، بیہقی کے طریق کے سوا یہ نامعلوم راوی بھی اِس حدیث کے مندرجہ بالا تمام طرق کی اسانید میں موجود ہے۔

چنانچہ اِس روایت کی اسانید میں اِن دونوں راویوں کی موجودگی اور اِن کی اِس حیثیت کی بنا پر علمِ حدیث کی رو سے ائمۂ رجال کے نزدیک یہ بات متحقق ہے کہ ابورافع رضی اللہ عنہ کی نسبت سے یہ حدیث اپنے مذکورہ بالا تمام طرق سمیت نہایت ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اثبات اور دین میں اِس نماز کے استحباب کے لیے حدیثِ ابی رافع کو بہ طور دلیل قطعاً پیش نہیں کیا جاسکتا۔

2۔ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

صلاۃ التسبیح کے بارے میں دوسری قولی حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جو مراجعِ حدیث میں پہلی مرتبہ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں حاکم (المتوفی: 405ھ) نے اپنی "المستدرک علی الصحیحین"، رقم 1196 میں درج کی ہے۔ حاکم کے بعد تنہا بیہقی (المتوفی: 458ھ) ہیں، جنھوں نے پانچویں صدی ہجری میں اپنی کتاب "الدعوات الکبیر"، رقم 445 میں اِس روایت کا ذکر کیا ہے۔ اِن دو کتابوں کے سوا باقی تمام مدوناتِ حدیث صلاۃ التسبیح کے باب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بالکل خالی ہیں۔

روایت کا متن

مستدرک حاکم، رقم 1196 میں یہ روایت اِن الفاظ میں نقل ہوئی ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: وَجَّهَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلى الله عَلَيهِ وَسَلَّم جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ إِلَى

---

[1]۔ دیکھیے: تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مزی 29/104-113، رقم 6989۔

[2]۔ ملاحظہ کیجیے: تقریب التہذیب، ابن حجر، ص 236، رقم 2320۔

بِلَادِ الْحَبَشَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ اعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ''أَلَا أَهَبُ لَكَ، أَلَا أُبَشِّرُكَ، أَلَا أَمْنَحُكَ، أَلَا أُتْحِفُكَ؟'' قَالَ: نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ: ''تُصَلِّي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِالْحَمْدِ وَسُورَةٍ، ثُمَّ تَقُولُ بَعْدَ الْقِرَاءَةِ وَأَنْتَ قَائِمٌ قَبْلَ الرُّكُوعِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً، ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُهُنَّ عَشْرًا تَمَامَ هٰذِهِ الرَّكْعَةِ قَبْلَ أَنْ تَبْتَدِئَ بِالرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، تَفْعَلُ فِي الثَّلَاثِ رَكَعَاتٍ كَمَا وَصَفْتُ لَكَ حَتّٰى تُتِمَّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ''.

''عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب کو ملکِ حبشہ کی طرف روانہ کیا۔ اُس موقع پر جب جعفر بن ابی طالب آپ کے پاس ملنے کے لیے آئے تو آپ نے اُن سے معانقہ کیا اور اُن کی دونوں آنکھوں کے مابین بوسہ لیا۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایک ہدیہ، خوش خبری اور تحفہ نہ دوں؟ اُنھوں نے کہا: ضرور، اے اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا: تم چار رکعت نماز اِس طرح پڑھنا کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھنے کے بعد رکوع سے پہلے پندرہ مرتبہ 'سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ' کا ورد کرنا۔ پھر رکوع کر کے اُس حالت میں بھی دس مرتبہ یہی کلمات کہنا۔ دوسری رکعت شروع کرنے سے پہلے اِس پوری پہلی رکعت میں ہر موقع پر اِسی طرح یہ کلمات دہرانا۔ تین رکعتوں تک اِسی طرح یہ تسبیح دہراتے رہنا، یہاں تک کہ تم چار رکعتیں (اِسی طرح) پوری کر لینا۔''

تحقیقِ اسانید اور روایت کا حکم

جہاں تک اِس روایت کی سند کا تعلق ہے تو اِس کے بارے میں امام حاکم سے یہ صریح تساہل ہوا ہے کہ اُنھوں نے اِس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ 'هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ لَا غُبَارَ عَلَيْهِ'، ''یہ ایک بے غبار صحیح سند ہے''، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اِس روایت کے مذکورہ بالا دونوں طرق کی اسانید میں ائمۂ محدثین کے نزدیک مندرجہ ذیل دو راوی ناقابل اعتبار ہیں:

ایک راوی اسحاق بن کامل المؤدب ہیں۔ ائمۂ رجال سے اِن کی کوئی توثیق ثابت نہیں ہے، بلکہ بعض علماے رجال نے اِن کی عدمِ معرفت کی صراحت کی ہے کہ معلوم نہیں کہ اِس نام کے کسی

راوی کا کوئی وجود بھی تھا یا نہیں۔ جب کہ ابو سعید بن یونس مصری کہتے ہیں کہ 'لم یتابع فی حدیثہ مناکیر'، ''یہ متفرد راوی ہیں، اِن کی تائید و تصویب میں کسی دوسرے راوی کی متابعت نہیں ملتی اور اِن کی روایت کردہ احادیث میں منکر روایتیں ہوا کرتی ہیں۔''[3]

دوسرے راوی احمد بن داؤد عبد الغفار الحرانی ہیں۔ اِن کو متعدد ائمۂ رجال نے 'کذاب' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے حدیثیں گھڑنے والا راوی قرار دیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حاکم سے متقدم اور کبارِ ائمۂ حدیث، مثلاً ابو حاتم الرازی، ابن حبان اور امام دار قطنی نے اِس راوی کے بارے میں کہا ہے کہ 'یضع الحدیث'، ''یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔''[4]

مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں صاف واضح ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب اِس حدیث کے مذکورہ بالا دونوں طرق فنِ حدیث کی رو سے 'موضوع'، یعنی من گھڑت ہیں۔ صلاۃ التسبیح کی منفرد نفل نماز اِس روایت سے بھی قطعاً ثابت نہیں کی جا سکتی۔

3۔ حدیثِ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صلاۃ التسبیح کے بارے میں تیسری حدیث خود جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جو حدیث کی مندرجہ ذیل صرف دو ہی کتابوں میں نقل ہوئی ہے:

1۔ دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی کے آغاز میں عبد الرزاق صنعانی (المتوفی: 211ھ) کی المصنف، رقم 5004 میں وارد ہوئی ہے۔

2۔ چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں عبد الغنی مقدسی (المتوفی: 600ھ) کی اخبار الصلاۃ، رقم 81 میں درج ہے۔

روایت کا متن

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ روایت مصنف عبد الرزاق، رقم 5004 میں

---

[3]۔ دیکھیے: لسان المیزان، ابن حجر 2/68، رقم 1056۔

[4]۔ دیکھیے: لسان المیزان، ابن حجر 1/454، رقم 501۔

اِن الفاظ میں نقل ہوئی ہے:

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: ”أَلَا أَهَبُ لَكَ؟ أَلَا أَمْنَحُكَ؟ أَلَا أَحْذُوكَ؟ أَلَا أُوثِرُكَ؟ أَلَا؟ أَلَا؟“ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيَقْطَعُ لِي مَاءَ الْبَحْرَيْنِ، قَالَ: ”تُصَلِّي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ أُمَّ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَسُورَةً، ثُمَّ تَقُولُ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَعُدَّهَا وَاحِدَةً حَتَّى تَعُدَّ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً، ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا وَأَنْتَ رَاكِعٌ، ثُمَّ تَرْفَعُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا وَأَنْتَ رَافِعٌ، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا وَأَنْتَ سَاجِدٌ، ثُمَّ تَرْفَعُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا وَأَنْتَ جَالِسٌ، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا وَأَنْتَ سَاجِدٌ، ثُمَّ تَرْفَعُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا وَأَنْتَ جَالِسٌ، فَتِلْكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ، وَفِي الثَّلَاثِ الْأَوَاخِرِ كَذَلِكَ، فَذَلِكَ ثَلَاثُ مِائَةٍ مَجْمُوعَةٍ، وَإِذَا فَرَّقْتَهَا كَانَتْ أَلْفًا وَمِائَتَيْنِ، تَصْنَعُهُنَّ فِي يَوْمِكَ أَوْ لَيْلَتِكَ، أَوْ جُمُعَتِكَ، أَوْ فِي شَهْرٍ، أَوْ فِي سَنَةٍ، أَوْ فِي عُمُرِكَ، فَلَوْ كَانَتْ ذُنُوبُكَ عَدَدَ نُجُومِ السَّمَاءِ، أَوْ عَدَدَ الْقَطْرِ، أَوْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ، أَوْ عَدَدَ أَيَّامِ الدَّهْرِ لَغَفَرَهَا اللّٰهُ لَكَ“.

”جعفر بن ابی طالب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: کیا میں آپ کو ایک چیز ہبہ نہ کروں؟ کیا آپ کے ساتھ بھلائی کرتے ہوئے میں آپ کو ایک تحفہ نہ دوں؟ (جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ بحرین کا پانی میرے نام کر دیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: آپ چار رکعت نماز اِس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھنے کے بعد آپ پندرہ مرتبہ 'الحمد للہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ' کہیں۔ پھر رکوع کریں تو اُس حالت میں یہی کلمات دس مرتبہ دہرائیں، پھر رکوع سے اپنا سر اٹھائیں تو قومہ کی حالت میں بھی یہی کلمات دس مرتبہ کہیں۔ پھر سجدے میں جائیں تو سجدے کی حالت میں بھی یہی کلمات دس مرتبہ پڑھیں، پھر سجدے سے اُٹھ کر بیٹھیں تو اُس موقع پر بھی دس مرتبہ یہی کلمات دہرائیں، پھر دوبارہ سجدہ کریں تو اُس میں بھی یہ کلمات دس مرتبہ پڑھیں، پھر سجدے سے اُٹھیں تو اُس موقع پر بھی بیٹھ کر دس مرتبہ یہی کلمات دہرائیں۔ اِس طرح (ہر رکعت میں) اِن کلمات کی تکرار 75 مرتبہ ہو جائے گی۔ اِس پہلی رکعت

کے بعد آخری تین رکعتوں میں بھی اِن کلمات کا اِسی طرح ورد کرنا ہے۔ اِس طرح (چار رکعتوں میں) اِس ورد کی کل تعداد تین سو ہو گی۔ اور اِس ورد کے کلمات کو تم جب الگ الگ کر کے گنو گے تو یہ کُل ایک ہزار دو سو کلمات ہوں گے۔ یہ چار رکعتیں تم اپنے دن یا رات کے وقت میں پڑھ لینا، یا جمعے کے دن ادا کر لینا، یا مہینے میں ایک مرتبہ، یا سال میں ایک مرتبہ یا پھر عمر بھر میں ایک مرتبہ پڑھ لینا۔ اِس کے بعد تمھارے گناہوں کی تعداد آسمان کے تاروں کے برابر ہوں، یا پانی کے قطروں کی تعداد کے برابر ہوں، یا ریت کے ٹیلے کے برابر ہوں یا زمانے کے دنوں کی تعداد کے برابر ہوں، اللہ تمھارے لیے اُن کو ضرور بخش دے گا۔''

تحقیقِ اسانید اور روایت کا حکم

مصنف عبد الرزاق، رقم 5004 میں اِس روایت کی سند میں مندرجہ ذیل دو بڑی علل پائی جاتی ہیں:

1۔ اِس میں اسمٰعیل بن رافع الانصاری نامی ایک راوی ہے جو ائمۂ رجال کے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ کئی علماے رجال نے اِس کو ضعیف، جب کہ متعدد ائمۂ حدیث نے 'منکر الحدیث' یا 'متروک الحدیث' قرار دیا ہے۔[5]

2۔ اِس سند میں انقطاع بھی ہے، یعنی اِس کے راویوں کی یہ سند متصل نہیں ہے، بلکہ ٹوٹی ہوئی ہے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا 'متروک الحدیث' راوی اسمٰعیل بن رافع الانصاری راویوں کے طبقات میں ساتویں طبقے، یعنی تبع تابعین میں سے ہے، جب کہ اِس سند میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے براہ راست روایت کو بیان کر رہا ہے جن کی وفات ہجرتِ نبوی کے آٹھویں سال ہو چکی تھی۔ چنانچہ بالبداہت واضح ہے کہ یہ سند منقطع ہے اور اسمٰعیل بن رافع کا براہ راست جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرنا کسی طرح

---

[5]۔ ملاحظہ ہو: تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مزی 3/85-90، رقم 442؛ تہذیب التہذیب، ابن حجر 1/294-296، رقم 547۔

قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

حدیثِ جعفر کا دوسرا طریق جو عبد الغنی مقدسی کی کتاب ''اخبار الصلاۃ'' میں نقل ہوا ہے، اُس کی سند ''مصنف عبد الرزاق'' کے پہلے طریق کی سند سے بھی زیادہ ضعیف اور نا قابل التفات ہے۔ اِس لیے کہ اِس میں پہلے طریق کی مندرجہ بالا دونوں علل کی موجودگی کے علاوہ ایک اور مجروح راوی بھی ہے جس کی کنیت ابو معشر اور نام نجیح بن عبد الرحمٰن السندی ہے۔ ائمۂ محدثین نے اِس کو 'ضعیف' اور 'منکر الحدیث' راوی قرار دیا ہے۔[6]

اِس کے علاوہ، اِس سند میں ایک اور انقطاع بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ صاحبِ کتاب عبد الغنی بن عبد الواحد مقدسی کی پیدایش 541ھ کی ہے، جب کہ یہ روایت وہ براہ راست سعید بن منصور خراسانی سے نقل کر رہے ہیں، جن کی وفات 227ھ ہجری کو ہوئی تھی۔ سو واضح ہوا کہ یہ سند ایک نہیں، بلکہ دو جگہوں پر منقطع ہے۔ چنانچہ ابتدائے سند کے اِس انقطاع سے واضح ہوا کہ فنِ حدیث کی رو سے یہ روایت 'معلق' ہونے کی بنا پر قابل رد ہے۔

ابو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منسوب اِس حدیث کی مندرجہ بالا دونوں اسانید کے مطالعے سے متحقق ہوتا ہے کہ قواعدِ علمِ حدیث کی رو سے یہ روایت بھی نہایت ضعیف اور نا قابل التفات ہے۔ صلاۃ التسبیح کے ثبوت کے لیے بہ طور دلیل اِس روایت کو بھی ہرگز پیش نہیں کیا جا سکتا۔

[باقی]

---

[6] ۔ ملاحظہ ہو: تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مزی 29/322-331، رقم 6386؛ تہذیب التہذیب، ابن حجر 10/374-376، رقم 759۔

وارث مظہری

سرسید کی کلامی فکر اور اس کا منہج: ایک تجزیاتی مطالعہ

(2)

["نقطۂ نظر" کا یہ کالم مختلف اصحابِ فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

تصور عقل

سرسید علمیاتی (epistemic) نقطۂ نظر سے عقل کو وحی پر فوقیت دیتے ہیں، اگرچہ وہ صریح لفظوں میں اس کا اقرار نہیں کرتے۔ عقل کو وحی پر فوقیت دینے کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک عمومی پہلو تو اشیا میں حسن و قبح عقلی کے مسئلے سے تعلق رکھتا ہے، جس کے معتزلہ قائل رہے ہیں۔ یعنی کسی شے کے حسن و قبح کی اصل فیصل عقل ہے، نہ کہ شرع۔ سرسید اس میں مکمل طور پر معتزلہ کے ساتھ نظر آتے ہیں،[1] لیکن سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ انسانی عقل کا بنیادی حوالہ جدید سائنس کو تصور کرتے ہیں، جو طبیعاتی مشاہدات و تجربات پر قائم ہے۔ اس کے مقابلے میں قدیم سائنس یا یونانی فلسفے کو وہ محض ظن و تخمین تصور کرتے ہیں۔[2] البتہ وہ مباحث جو سائنس کے دائرۂ

---

[1]۔ مقالات سرسید 3/19۔

[2]۔ مقالات سرسید 1/150۔

عمل میں نہیں آتے، ان میں وہ قدیم فلسفیانہ اصول و اصطلاحات سے اپنے موقف کے اثبات کی کوشش کرتے ہیں۔ سائنس کو وہ انسانی عقل کا اس درجے میں معیار تصور کرتے ہیں کہ وہ سائنس پرستی (scientism) کی حد تک پہنچ جاتا ہے، جو مغرب میں مذہب مخالف رجحانات میں سب سے زیادہ شدت پسندانہ رجحان ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ سرسید وجدان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے،[3] حالاں کہ قدیم و جدید، دونوں فلسفیانہ روایت میں اس کی اہمیت مسلم ہے۔ غالباً سرسید کی نگاہ میں وجدان کو ایک ذریعۂ علم تصور کرنے میں جو چیزیں مانع ہیں، ان میں سے پہلی چیز سائنس پرستی ہے، جب کہ دوسری چیز جو ایک لحاظ سے پہلے کی فرع ہے، ذاتی تجربۂ علم سے متعلق صوفیہ کا غلو آمیز تصور ہے، جو روحانی مکاشفات کے صوفیانہ دعاوی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ سرسید کی نگاہ میں وہ "خیال ہی خیال ہیں۔ خیال کے سوا کچھ نہیں"۔[4] سرسید نے کشف اور وجدان میں فرق نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ صوفیانہ کشف وجدان کی ہی ایک شکل ہے اور اس سے انکار بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن کشف کے ابطال کی بنیاد پر وجدان کا انکار و استرداد اس سائنس پرستی کا نتیجہ ہے، جس نے سرسید کے ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

غزالی نے اس کو جس فلسفیانہ حقیقت کے طور پر پیش کیا، اس پر ہمیشہ سوال اٹھتے رہے ہیں۔ اس معاملے میں سرسید تنہا نہیں ہیں۔ تاہم جس اسلوب میں سرسید نے اس کو مکمل طور پر رد کرنے کی کوشش کی ہے، وہ ان کی مزاجی افتاد اور اسلوبیاتی شدت پر دلالت کرتی ہے۔ سرسید فرماتے ہیں کہ انسان کو عقل کی بنیاد پر مکلف کیا گیا ہے، اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ جن امور کا اسے مکلف کیا گیا ہے، وہ اس کے دائرۂ عقل سے باہر ہوں۔[5] اصولی طور پر اس میں کسی کو کلام نہیں، لیکن سرسید جزئیات کی سطح پر جس طرح اس کو منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس پر محسن الملک کا اعتراض بجا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ دین کے تمام تر اصول و اعتقادات کو جدید

---

[3]۔ مقالات سرسید 1/112۔

[4]۔ مقالات سرسید 1/112۔

[5]۔ مقالات سرسید 3/9۔

سائنس اور لا آف نیچر کے مطابق ثابت کرنے کا دعویٰ فضول اور غیر ضروری ہے،[6] حالاں کہ ابن رشد جنھیں اسلامی جدیدیت پسندی کا نقیب تصور کیا جاتا ہے اور جن کی فکر نے سرسید کی فکر پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، عقل کی محدودیت کو تسلیم کرتے تھے۔ وہ عقل کو نصوص کے فہم کا سب سے اہم وسیلہ تصور کرتے ہیں اور اس حوالے سے حقیقت کے ادراک کا اہم ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ تاہم وہ فرق کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ عقل تمام تر حقائق کا ادراک کرنے سے عاجز ہے۔ اس طرح وحی عقل کا تتمہ (complementary) ہے: 'کل ما عجز عنه العقل افادہ اللہ تعالی الانسان من قبل الوحی'، ''ہر وہ چیز جس سے عقل قاصر رہ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو اس کا علم وحی کے ذریعے سے عطا کرتا ہے''۔[7] اس لیے ہمیں ایسے تمام مواقع پر شریعت سے رجوع کرنا چاہیے۔ (یجب ان نرجع فیه الی الشرع)[8] وحی سے جو چیز حاصل ہوتی ہے، وہ غیب کا علم ہے۔ عالم غیب و عالم شہادت اپنی ذات اور جوہر کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس لیے غیب کو شہود پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح ابن رشد نے مذہبی اور فلسفیانہ حقائق کے درمیان خط امتیاز قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن رشد کی نظر میں مشکل اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ان دونوں حقائق کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ دونوں کا اپنا دائرۂ عمل ہے۔ اس کو اسی کے اندر رکھ کر دیکھنا چاہیے۔ سرسید عقل اور اس کی کارپردازی کو جس مجرد اور تکنیکی انداز میں دیکھتے ہیں، وہ اسلامی عقلی روایت میں بھی بہت حد تک اجنبی ہے۔ فلاسفہ و متکلمین اور اصولیین کے یہاں عقل، اس کی فعالیت اور معیار کے حوالے سے اس کی تقسیم کی جو بحثیں ملتی ہیں، سرسید کا ذہن اس سے بھی بالکل خالی محسوس ہوتا ہے۔ ان کے مطابق چودھویں صدی کے بعد جو دور شروع ہوا، اس میں عقل کو حقیقت اشیا کی معرفت میں مطلق حکمرانی حاصل ہو گئی ہے۔ اب جو کچھ بھی عقل کے دائرے سے خارج ہے، وہ ناقابل تسلیم ہے۔

---

[6]۔ تحریر فی اصول التفسیر 18۔

[7]۔ ابن رشد: تہافت التہافت (تحقیق: سلیمان دنیا) دار المعارف 1980ء، 2/758۔

[8]۔ ابن رشد: تہافت التہافت (تحقیق: سلیمان دنیا) دار المعارف 1980ء، 2/758۔

سرسید کی کلامی فکر اور منہج پر ایک تنقیدی نظر

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے سرسید کی کلامی خدمات اور اس حوالے سے ان کی فکر اور منہج کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے اور اس ضمن میں کچھ تنقیدی نکات بھی پیش کیے ہیں۔ ان سطور میں سرسید کی مجموعی فکر پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سرسید نے جدید علم کلام کی تشکیل کا جو بیڑا اٹھایا، ماحول اس کا عین متقاضی تھا، لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہو گا کہ عالم اسلام میں سرسید اس فکر کے نقیب تھے۔ البتہ سرسید کے خلاف مخالفتوں کا جو طوفان برپا ہوا، اس نے اس حوالے سے ان کے نام اور کام کو زیادہ مرکز توجہ بنا دیا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا کام برصغیر ہند کی خاموش کلامی فضا میں لہریں پیدا کرنے والا تھا۔ سرسید کی کلامی فکر کی خوبیاں بھی ہیں اور کم زوریاں بھی، سرسید کے مادحین اور ناقدین نے ان کی مدح اور قدح، دونوں میں مبالغہ کیا ہے۔ ناقدین نے تو تکفیر سے گریز نہیں کیا، لیکن مادحین نے مدح میں مبالغہ کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ شیخ محمد اکرام کی نظر میں: ''شاید اس کے سوا سرسید کا کوئی قصور نہ تھا کہ وہ دوسرے علما کی بہ نسبت زیادہ دور اندیش اور دور رس تھے''۔[9] حقیقت یہ ہے کہ سرسید ایک عبقری ذہن و شخصیت کے مالک ضرور تھے، لیکن ان کی دانش ورانہ انانیت پر مبنی نفسیات اسلامی الٰہیاتی فکر کی تجدید کی راہ پُرخار کے عبور کرنے میں حارج رہی۔ انھوں نے سائنسی فکر کے عنوان سے جس مجرد عقلی زاویۂ فکر کو اپنے استدلال کی بنیاد بنایا، اسے کینیڈین فلاسفر چارلس ٹیلر نے عقل آلی (instrumental reason) کا نام دیا ہے، جس کے خلاف اٹھارھویں صدی میں ہی خود مغرب میں رومانویت پسندی اور دوسری تحریکوں کی شکل میں رد عمل کا آغاز ہو چکا تھا۔ ٹیلر کے بہ قول یہ موجودہ مغربی جدیدیت کو لاحق تین بڑی بیماریوں (malaises of modernity) میں سے ایک ہے۔[10]

---

[9]۔ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، دہلی: ادبی دنیا، سال اشاعت غیر مذکور، ص 162۔

[10]۔ دوسری دو بڑی بیماریوں میں سے ایک انفرادیت پسندی (individualism) اور دوسری سیاسی معاشرہ (political society) ہے۔ انفرادیت پسندی سے مراد فرد کو حاصل ہونے والا غیر محدود

اسلامی فکری روایت پر سیر سید کی نگاہ زیادہ گہری اور وسیع نہ تھی۔ صاحب ''نزہۃ الخواطر'' نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ البتہ ان کے دوسرے متعدد الزامات سرسید کے تعلق سے غلط ہیں۔[11] یہ مطالعہ سے زیادہ ان کی طباعی کا کمال تھا کہ وہ ناقص مواد سے 'کامل' اور غیر معمولی نتائج برآمد کر لیتے تھے۔ البتہ انھوں نے غزالی اور شاہ ولی اللہ کو تفصیل کے ساتھ پڑھا اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ سے وہ زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کے بہت سے افکار واصول میں شاہ صاحب کی فکر کی گونج سنائی دیتی ہے۔[12]

سرسید مسلم فلاسفہ کی طرح جدید سائنس سے نہایت مرعوب اور تاثرپذیر ذہنیت رکھتے تھے۔ مسلم فلاسفہ نے یونانی فلسفے کے کم وبیش تمام اصول وکلیات کی پیروی کو تعقل پسندی کی شرط تصور کیا، جب کہ سرسید نے جدید سائنس کو اسلامی تفکر کی بنیاد قرار دیا۔ غزالی نے اپنے عہد میں

اختیار ہے، جس کا ایک مظہر یہ ہے کہ وہ اپنے لیے جو بھی طرز زندگی چاہے اختیار کرے (right to choose for themselves their own pattern of life)، جب کہ سیاسی معاشرے سے مراد وہ ماحول ہے، جو یہ طے کرتا ہے کہ اس عقل آلی یا تکنیکی کو استعمال میں لاتے ہوئے فرد اور معاشرے کو کون سی پسند اختیار کرنی چاہیے اور کون سی نہیں۔ دیکھیے: Malaises of Modernity The پہلا باب: Three Malaises اس کے مختلف پہلوؤں پر ٹیلر نے اپنی زیادہ معروف کتاب A Secular Age (Harvard University Press, 2018) کے آٹھویں باب (311-318) میں گفتگو کی ہے۔ کئی حیثیتوں سے یہ بحث انتہائی اہم اور قابل مطالعہ ہے۔

[11]۔ نزہۃ الخواطر کے مصنف سرسید کے بارے میں لکھتے ہیں: 'فان رئیت مصنفاته علمت انه کان کبیرًا لعقل قلیل العلم ومع ذلك کان سامحه الله تعالی قلیل العمل، لا یصلی ولا یصوم غالباً'، ''اگر آپ ان کی تصنیفات کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ ان کے اندر عقل ودانش تو کافی تھی، لیکن زاد علم کم تھا۔ علاوہ ازیں، اللہ تعالیٰ انھیں معاف کرے، عمل کے لحاظ سے وہ کوتاہ کار تھے۔ زیادہ تر نماز روزے کی پروا نہیں کرتے تھے۔'' (عبد الحئ الحسنی، الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام المسمی بنزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، بیروت: دار ابن حزم، 1999ء، 8/1175)

[12]۔ دیکھیے، تحریر فی اصول التفسیر، صفحات 32، 33، 35، 43، 48 وغیرہ۔

فلسفۂ یونان سے مسحور اس ذہنیت کے سانچے کو توڑ دیا تھا، لیکن موجودہ عہد میں جدید سائنس کے مقابلے میں گذشتہ تین سو سالوں میں ایسا کام سامنے نہ آ سکا، جس سے سائنس سے مذہب کو درپیش چیلنجوں کا دفاع ممکن ہو سکے۔

سرسید جس چیلنج سے مذہبی فکر کا تحفظ چاہتے تھے، اس کو براہ راست اور اصل ذرائع سے پڑھنے اور سمجھنے کی کماحقہٗ صلاحیت ان میں نہیں تھی۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ وہ کسی بھی مغربی زبان سے واقف نہیں تھے کہ مغربی فکر کا براہ راست مطالعہ کر سکیں۔ مزید یہ کہ مغربی فکر کا ان کا مطالعہ یک طرفہ تھا۔ خود مغرب کی ابھرتی اس سائنسی فکر پر جس کی زد بہ ظاہر مذہبی ماورائیت پر پڑ رہی تھی، داخلی سطح پر ہونے والی تنقیدات اور اس کے خلاف پنپنے والے رجحانات سے وہ آشنا نہیں تھے۔ مذہبی فکر کے اثبات میں وہ عقل انسانی کو لامحدود صلاحیتوں کا حامل تصور کرتے تھے، حالاں کہ اگر انھوں نے کانٹ ہی مطالعہ کیا ہوتا جس کا فکری غلغلہ مغرب میں موجود تھا تو وہ عقل کو مذہب کے باب میں غیر محدود اختیارات عطا کرنے کے شاید قائل نہ ہوتے۔ وہ یورپ کی نیچر لزم کی تحریکات سے متاثر ہوئے، لیکن ان تحریروں میں کہیں حوالہ نہیں آتا کہ اس موضوع پر ان کے مطالعے اور فکر کا ماخذ کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ خود مغربی سائنسی فکر کو ثانوی ذرائع سے سمجھنے میں انھوں نے اسی طرح غلطیاں کیں، جس طرح ابن سینا نے کی تھیں، جن پر ابن رشد نے ''تہافت التہافت'' میں تنقید کی ہے۔[13]

ایک اہم بات یہ ہے کہ خود سائنس کی ماہیت کا اصولی مطالعہ انھوں نے نہیں کیا کہ وہ اور اس کا دائرۂ کار متعین طور پر کیا ہے، جو اب فلسفۂ سائنس کے مباحث و مشمولات کا حصہ ہے؟ انھوں نے سائنس کے تصور سے وہ چیز برآمد کرنے کی کوشش کی جس کی خود سائنس دعوے دار نہیں ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے اصول فطرت میں 'فطرت' کی مروج تشریحات کو من و عن قبول کر لیا، لیکن یہ خیال نہیں کیا کہ یہ تشریحات تغیر پذیر ہیں، اٹل نہیں ہیں۔ یہ قوانین فطرت انسانی فہم و ادراک پر مبنی ہیں اور انسانی فہم اور تجربات میں اضافہ اور ارتقا ہوتا رہتا ہے۔

سرسید نے اپنی کلامی فکر کے مقدمات طے کرنے میں جن اصولوں سے کام لیا، ان میں متعدد

---

[13]۔ ابن رشد، تہافت التہافت، التحقیق: الدکتور سلیمان الدنیا، قاہرہ: دارالمعارف، 1964ء، ص 140۔

اصول بہت اہم ہیں اور ان کے ذہن خلاق کی غمازی کرتے ہیں۔ لیکن چند ایک اصول جن پر انھوں نے اپنی فکر کی عمارت استوار کرنے کی کوشش کی ہے، وہ بہت کم زور ہیں۔ ان پر کوئی مضبوط فکری عمارت اٹھائی نہیں جاسکتی۔ مثلاً مولانا قاسم نانوتوی کے ساتھ مکاتبت میں سرسید نے کل پندرہ اصول لکھے تھے۔ نواں اصول یہ ہے کہ:

> ”انسان خارج از طاقتِ انسانی مکلف نہیں ہو سکتا، پس اگر وہ ایمان پر مکلف ہے تو ضروری ہے کہ ایمان اور اس کے وہ احکام جن پر نجات منحصر ہے، عقل انسانی سے خارج نہ ہوں۔“[14]

مولانا نانوتوی نے اس پر دو اعتراضات کیے: ایک یہ کہ تکلیف مالایطاق کے نہ ہونے کی علت اعمال ہیں، نہ کہ ایمان۔ دوسرے یہ کہ ”عمل قوت عاملہ کا محتاج ہے، قوت عاقلہ کا محتاج نہیں جو اس کی سرّ و مصلحت سے آگاہ نہ ہونا مانع تکلیف ہو سکے“۔[15] ایمانیات و اعمال کے بہت سے عناصر و اجزا اور ان کے مصالح کا صحیح ادراک عقل انسانی نہیں کر سکتی۔ مولانا نانوتوی نے عقل کی اپنی کار پردازی کے لحاظ سے اس کی حیثیت اور معیار کا سوال بھی اٹھایا ہے،[16] جو اصولی طور پر صحیح ہے۔ جن کلامی مسائل پر انھوں نے داد تحقیق دی، وہ انتہائی غور و خوض کے متقاضی تھے، لیکن بہ ظاہر محسوس ہوتا ہے کہ مختلف سرگرم مشاغل میں گھرے سرسید کو اس پر مطلوبہ غور و خوض کی فرصت نہیں تھی۔

سرسید کی کلامی فکر کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انھوں نے جس اصولی فریم ورک میں گفتگو کی ہے، وہ روایت سے مکمل انقطاع پر مبنی ہونے کے ساتھ اپنے متعلقہ پہلوؤں کے لحاظ سے بہت مربوط و منظم (cohesive) نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں، مثلاً حسین آفندی الجسر (م 1909ء) نے کلیات پر زور دیا، جیسے نظریۂ ارتقا کے تناظر میں بحث کرتے ہوئے انھوں نے یہ اصول اختیار کیا کہ اگر کوئی سائنسی تحقیق برہان اور یقین قطعی کو پہنچ جائے تو پھر تاویل کی جاسکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

---

[14] ۔ مولانا قاسم نانوتوی، تصفیۃ العقائد، دیوبند: کتب خانہ رحیمیہ، سال اشاعت غیر مذکور، ص 15۔

[15] ۔ مولانا قاسم نانوتوی، تصفیۃ العقائد، دیوبند: کتب خانہ رحیمیہ، سال اشاعت غیر مذکور، ص 15۔

[16] ۔ مولانا قاسم نانوتوی، تصفیۃ العقائد، دیوبند: کتب خانہ رحیمیہ، سال اشاعت غیر مذکور، ص 15۔

لو فرض ان ادلتكم على النشوء بلغت الى درجة اليقين وهديتم الى اعتقاد دين محمد الذى اساسه ان لا خالق لشيء الا الله تعالى فلا حجر عليكم فى تاويل تلك النصوص وصرفها عن ظاهرها وتطبيقها على ماقامت عليه الادلة قاطعة من النشوء مع اعتقاد انه بخلق الله تعالى ولا ينافى ذلك.

"اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ نظریۂ ارتقا کے حوالے سے تمھاری دلیلیں یقین کے درجے تک پہنچ چکی ہیں اور تم دین محمدی میں یقین رکھتے ہو، جس کی اساس اس پر ہے کہ کسی چیز کا خالق سوائے خدا کے کوئی اور نہیں تو پھر تمھارے لیے نصوص کی تاویل، انھیں ظاہر سے پھیرنے اور نظریۂ ارتقا سے متعلق قائم ہو جانے والے دلائل قطعی پر منطبق کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگرچہ اسی کے ساتھ یہ اعتقاد ضروری ہے کہ یہ خدا کے خلق کی ہی کارفرمائی ہے اور وہ اس کے منافی نہیں ہے۔"[17]

اسی طرح فرید وجدی (م1954ء) نے یہ نقطۂ نظر اختیار کیا کہ قرآن کے کائناتی مظاہر کے تعلق سے بیانات کی سائنسی نظریات پر تطبیق کی کوشش غلط ہے، کیونکہ قرآن کو اس سے کچھ غرض نہیں ہے کہ فی الواقع ان کی کیا حقیقت ہے۔ اس کا مقصد صرف نفس انسانی کی تربیت اور اسے کائنات میں غور و فکر پر ابھارنا ہے۔[18] ابن تیمیہ نے "درء تعارض العقل والنقل" میں اس حوالے سے کلیات طے کرنے کی کوشش کی، جس کی اساس پر مولانا تھانوی وغیرہ نے اصول سازی کی کاوشوں کو آگے بڑھایا۔ انھوں نے عقل و نقل کے درمیان تعارض کی چار ممکنہ شکلوں

---

[17]۔ حسین آفندی جسر، الرسالۃ الحمیدیۃ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیۃ وحقیقۃ الشریعۃ المحمدیۃ، تقدیم، عصمت نصار، القاہرۃ: دار الکتاب المصری، 2012ء، ص293۔

[18]۔ محمد فرید وجدی: الاسلام فی عصر العلم، بیروت: دار الکتاب العربی، اشاعت سوم، سن اشاعت غیر مذکور، ص490-491۔

کو فرض کر کے اصولی فریم ورک میں عقل و نقل کے درمیان تطبیق کی کوشش کی ہے۔[19] اگرچہ ان اصول و کلیات میں کلام کی گنجایش ہے اور انھیں حتمی قرار نہیں دیا جاسکتا، تاہم نص سے عقل کے معارضے کو دور کرنے کی جہت میں ان سے اصولی اور قابل عمل رہنمائی ملتی ہے۔ سرسید اپنا جو اصولی فریم ورک متعین کرتے ہیں، وہ بہت ڈھیلا ڈھالا ہے اور اس لحاظ سے اس کی کم زوری مزید عیاں ہو جاتی ہے کہ سرسید اس پر وارد ہونے والے اعتراضات سے علمی سنجیدگی کے ساتھ اعتنا نہیں کرتے۔

خلاصۂ بحث

سرسید احمد خاں نے جس عہد میں اپنی کلامی فکر ترتیب دینے کی کوشش کی، وہ اسلامی فکر کے لیے نہایت آشوب ناک تھا۔ نہ صرف برصغیر، بلکہ عالم اسلام کے مراکز میں فکر اسلامی کے افق پر تقلید و جمود کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس کے خلاف عالم اسلام میں اساسی طور پر دو طرح کے رجحانات پیدا ہوئے: ایک رجحان یہ تھا کہ داخلی سطح پر اور خود اسلامی فکری روایت کے اندر رہتے ہوئے اسلامی فکر کو درپیش عقلی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی جائے اور اس تعلق سے اسلامی روایت کی وسعت و تنوع اور تمول سے فائدہ اٹھایا جائے۔ برصغیر ہند میں اس رجحان کی نمایندگی شبلی سے ہوتی ہے، جب کہ اس خطے میں دوسرا رجحان یہ ابھر کر سامنے آیا کہ اسلامی فکری روایت کے امتیازی عناصر کو بہت حد تک پس پشت ڈالتے ہوئے اس چیلنج کے مقابلے کے لیے نئی فکری بساط بچھائی جائے۔ اس فکر کی نمایندگی سرسید اور مفکرین کے اس قافلے سے ہوتی ہے جس میں چراغ علی اور امیر علی وغیرہ شامل ہیں اور سرسید کو اس کی سپہ سالاری حاصل ہے۔

اگرچہ سرسید نے جن اصولوں پر اپنی کلامی فکری عمارت تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی بنیادیں کم زور اور تخاخل کا شکار ہیں۔ تاہم ان سے بند فکری راہوں کو کھلنے میں اسی طرح مدد ملی، جس طرح اعتزالی فکر کے نتیجے میں علماے اہل سنت کی فکر کو تحریک حاصل ہوئی۔ سرسید کی کلامی فکر اور منہج کے دور رس اثرات مرتب ہوئے، جن کی مثبت اور منفی، دونوں بنیادوں پر تحکیم کی

---

[19]۔ اشرف علی تھانوی: الانتباهات المفيدة عن الاشتباهات الجديدة، کراچی: مکتبہ البشریٰ، ص 23-26۔

جاسکتی ہے۔ تاہم اس کے مثبت اثرات بھی نمایاں ہیں اور برصغیر ہند میں انھیں خود شبلی و اقبال اور فراہی اسکول کی علمی و فکری کاوشوں میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔[20]

---

[20]۔ سرسید کی کلامی فکر کا محور و مرکز ان کی تفسیر ''تفسیر القرآن'' ہے، جس کے اثرات کو برصغیر ہند کے بعد کے مفسرین نے قبول کیا۔ اس کا اعتراف اصحاب علم و قلم کی طرف سے کیا جاتا رہا ہے۔ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی لکھتے ہیں: ''اس تفسیر کے مابعد تفاسیر پر اثرات مرتب ہوئے اور اہل علم نے اس کے اسلوب اور انداز تحقیق کو اپنایا'' (برصغیر میں مطالعۂ قرآن، دہلی: اسلامک بک فاؤنڈیشن، 2010ء، ص23)۔ اسی طرح یٰسین مظہر صدیقی کی نظر میں ''معجزات کے بارے میں فکر فراہی خالصتاً سرسید کی آرا کی بازگشت ہے۔ اور اس طرح شانِ نزول میں قرآن مجید کی آیات پر انحصار کرنے کی فکر مودودی و فراہی بھی اسی کی دین ہے (یٰسین مظہر صدیقی کا مقالہ بہ عنوان، ''سرسید کے تفسیری اصول، مشمولہ، ماہنامہ تہذیب الاخلاق، اکتوبر، 1995ء، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، ص18)۔

تحریر: علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی
پیش کش: ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

’عَبَسَ وَتَوَلّٰی‘ کا فاعل کون؟

(ایک نئی تفسیری تحقیق کی روشنی میں)

[”نقطۂ نظر“ کا یہ کالم مختلف اصحابِ فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

سورۂ عبس کے آغاز میں تمام مفسرین ’عَبَسَ وَتَوَلّٰی‘ کا فاعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں۔ متاخرین میں، البتہ ایک محدث علامہ داؤدی نے اس کا فاعل کافر کو قرار دیا ہے۔ یہ غالباً شیخ ابوالحسن عبدالرحمٰن بن مظفر الداؤدی ہیں۔ ان کا یہ قول علامہ ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں نقل کیا ہے۔ ابن حجر جابجا امام داؤدی کا تذکرہ ”فتح الباری“ میں کرتے ہیں۔ کہیں ان کی تشریح قبول کرتے ہیں اور کہیں اس کا رد کرتے ہیں اور کہیں پر ’وقد اغرب الداؤدی وقال‘ (یعنی داؤدی نے سب سے الگ یہ بات کہی ہے) کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی پائے کے محدث اور عالم تھے۔ موجودہ زمانہ میں یہی تفسیری رائے علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی نے بھی اختیار کی ہے۔ ان کی تفسیر سے اس کا متعلقہ اقتباس باذوق قارئین کے لیے نقل کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

یہ سورت بھی مکیہ ہے۔ اس کے لفظ اول کو ہی اس کا نام قرار دے دیا گیا ہے۔ غالباً سورۂ

نازعات کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس کا موضوع بھی وہی ہے جو سورۂ نازعات کا ہے اور مضامین کی نوعیت بھی تقریباً وہی ہے۔ سورۂ نازعات میں ایک گذشتہ سرکش، یعنی فرعون کا تذکرہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ سرکشی کا انجام جہنم ہے اور اِس سورہ کے آغاز میں مکہ کے سرکشوں میں سے ایک مغرور سرکش کا ذکر ہے۔

پس منظر: حضرت ابن اُمّ مکتوم ایک جلیل القدر و قدیم الاسلام نابینا صحابی تھے۔ ان کی ماں جن کا لقب اُم مکتوم پڑ گیا تھا اور اصل نام عاتکہ بنت عبد اللہ تھا، قبیلۂ بنی مخزوم میں سے تھیں اور حضرت خدیجہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں۔ ام مکتوم کے شوہر کا نام کسی نے عمرو بتایا ہے، کسی نے عبد اللہ (تفسیر خازن)، اغلب یہ ہے کہ خالہ زاد ہونے کی وجہ سے حضرت خدیجہ نے اس صالح و نابینا نوجوان کو اسلام کی ترغیب دی تھی۔ مشرف بہ اسلام ہو جانے کے بعد اکثر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتے اور قرآن یاد کرنے اور پڑھنے میں مصروف رہتے اور ملنے جلنے والوں اور اعزہ و اقربا میں تبلیغ کے لیے بھی نکل جاتے تھے۔ ایک روز کفار مکہ میں سے ایک شخص سے ملنے کے لیے گئے، وہ مال داروں سے میل جول رکھنے والا آدمی تھا اور داعی حق کی نصیحت کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ ابن ام مکتوم غالباً بہ غرض تبلیغ ہی اس کے پاس گئے تھے۔ اس نے نابینا ہونے کی وجہ سے ان کے آنے پر بڑی ناک بھوں چڑھائی۔ سیدھے منہ بات نہ کی اور پشت پھیر کر چلا گیا۔ اس طرز عمل پر اللہ نے اُس مغرور کی مذمت کی اور اس کی بے بصیرتی واضح کی اور اس کی خوے تملق و دولت پرستی پر ملامت فرمائی ہے۔ وہ مغرور شخص کیا نام رکھتا تھا؟ اس کا ذکر نہ قرآن میں ہے، نہ کسی صحیح حدیث میں۔ اور اس کا نام ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی، نہ ہمیں اس کے نام کی کھوج لگانے کی حاجت ہے۔ قرآنِ کریم ہدایت و اصلاح کی کتاب ہے۔ جن اشخاص کا نام قرآن میں ذکر ہوا ہے، اسی غرض کے تحت ہے۔ اور جن اشخاص کے ناموں سے یہ غرض تعلق نہیں رکھتی، ان کے نام ذکر نہیں فرمائے گئے۔ صرف اُن کے اچھے اوصاف ذکر فرما کر مدح یا برے اوصاف ذکر کر کے مذمت کی گئی ہے۔ پس ارشاد ہوا:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓی. اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰی. وَ	”ترش رو ہوا اور پشت پھیر کر چلا گیا،
مَا یُدۡرِیۡكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰٓی. اَوۡ یَذَّكَّرُ	اس وجہ سے کہ اس کے پاس اندھا آ گیا۔
فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰی. اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی.	اور تو کیا جانے شاید کہ وہ خوش فعال بن

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی. وَ مَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی. وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی. وَ هُوَ یَخْشٰی. فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی. كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ. فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ.

(عبس80:1-12)

رہا ہے۔ یا نصیحت مانتا ہے تو نصیحت اسے نفع دے۔ رہا وہ شخص جو مال دار ہو گیا ہے (اور دولت مندی کی وجہ سے وہ تجھ سے ملنے کے لیے نہیں آتا تو تُو اس کے درپے رہتا ہے۔ حال یہ ہے کہ تجھ پر کوئی غم نہیں ہے اس سے کہ وہ خوب سیرت نہ ہو۔ اور رہا وہ شخص جو خود تیرے پاس آیا حال یہ ہے کہ (تیری بھلائی کی) کوشش کر رہا ہے اور وہ (اللہ سے) ڈرتا ہے تو تُو اس سے تغافل برتتا ہے۔ (ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے۔) بے شک، وہ آیات (جنھیں وہ دیدہ ور نابینا اُس بے بصیرت مغرور کو سنانے کے لیے گیا تھا) اہم نصیحت ہیں۔ پس جو شخص چاہے، اسے ذہن نشین کر لے۔''

ذیل کی سطور میں ان آیات کی تفسیر ملاحظہ کریں:

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی.

چونکہ 'الْاَعْمٰی' فرمایا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص نابینا کا ذکر ہے اور مہاجرین صحابہ میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور نابینا نہ تھا، اس لیے مفسرین نے اس آیت میں انھیں ہی مراد سمجھا ہے۔

ملنے کے لیے آنے والا تو مہمان ہوا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ رویہ برتنا بڑی بدتمیزی ہے، آنے والا کوئی ایسا شخص ہوتا جس سے کوئی نقصان پہنچا تھا یا اب نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا تو اس بدخلقی کی گنجایش تھی۔ اُس مغرور نے تو محض آنے والے کے نابینا ہونے کی وجہ سے یہ شرم ناک کمینگی کی تھی۔ انسان کو چاہیے کہ آنے والے کو شرافت کے ساتھ بٹھائے، آنے کا باعث دریافت کرے خصوصاً، جب کہ وہ اس سے جان پہچان بھی رکھتا ہو اور اس کی بات سنے، ہو سکتا ہے کہ اس

کے بیٹھنے سے کچھ فیض اور اس کی بات سننے سے کچھ نفع حاصل ہو۔ چنانچہ اس مغرور کو خطاب کر کے فرمایا:

وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤی. اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی.

''اور تو کیا جانے شاید کہ وہ خوش فعال بن رہا ہے یا نصیحت مانتا ہے تو نصیحت اسے نفع دے۔''

یعنی جب وہ قصداً تجھ سے ملنے کے لیے آیا تو تجھے شرافت کے ساتھ اسے بٹھانا اور انسانیت کے ساتھ اس سے گفتگو کرنا لازم تھا۔ تجھے سوچنا چاہیے تھا کہ ممکن ہے یہ شخص خوب سیرت و خوش فعال ہو تو اس کا تیرے پاس بیٹھنا تجھے فائدہ پہنچاتا۔ اچھے آدمی کی صحبت بڑی اکسیر ہوتی ہے یا ممکن ہے کہ وہ نصیحت ماننے اور اچھی بات بہ گوشِ قبول سننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو قرابت کے تعلق کی وجہ سے تو اُسے کوئی مفید بات بتاتا تو اُسے تیری بات سے فائدہ پہنچتا۔ الغرض اس کے ساتھ بات چیت کرنے سے تجھے پتا چل جاتا کہ یہ شخص مفید و نافع ہے یا مستفید و منتفع ہے۔ مگر تو نے اندھا دیکھ کر اُس غریب سے بے رخی برتی۔ اپنے افسوس ناک طرزِ عمل پر غور کر۔ مال دار آدمی سے تو تُو ملاقات کرنے کے درپے رہتا ہے، اس کے پاس جاتا ہے اور اس کی بدسیرت و بدخوئی کا تجھے کچھ غم نہیں ہوتا اور جو نیک سیرت اللہ سے ڈرنے والا شخص تیری خیر خواہی کے لیے تجھ سے ملنے کے لیے آئے اس سے تو تغافل برتے! چنانچہ فرمایا:

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی. فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی.

''رہا وہ شخص جو مال دار ہو گیا ہے (اور دولت مندی کی وجہ سے وہ تجھ سے ملنے کے لیے نہیں آتا) تو تُو اس کے درپے رہتا ہے۔''

اس کے در دولت پر حاضری دیتا ہے۔ بازار میں کسی محفل میں کسی تقریب سے اس کی زیارت کر لینے کی فکر و شوق رکھتا ہے اور اس کا شیدائی بنا رہتا ہے۔

وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی.

حال یہ ہے کہ تجھ پر کوئی غم نہیں ہے، اس سے کہ وہ خوب سیرت نہ ہو۔ اس کی دولت تجھے اس کے عیوب کی طرف دھیان نہیں دینے دیتی۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی. وَهُوَ یَخْشٰی. فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی.

اور رہا وہ شخص جو خود تیرے پاس آیا حال یہ ہے کہ (تیری بھلائی کی) کوشش کر رہا ہے اور وہ

(اللہ سے) ڈرتا ہے تو تُو اس سے تغافل برتتا ہے۔ اس سے روگرداں ہو کر دوسرے کام میں مشغول ہو جاتا ہے!

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ. فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ.

”ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ بے شک، وہ آیات (جنھیں وہ دیدہ ور نابینا اُس بے بصیرت مغرور کو سنانے کے لیے گیا تھا) اہم نصیحت ہیں۔ پس جو شخص چاہے، اسے ذہن نشین کر لے۔“

یعنی اللہ نے قرآن تمام بندوں کے لیے نازل فرمایا ہے؛ امیر و غریب، معذور و غیر معذور، مرد و عورت، جوان و بوڑھے اور عربی و عجمی کی کوئی تخصیص نہیں۔ رب العٰلمین کا یہ کلام سب کے لیے ہے۔ جو اسے ذہن نشین کر کے اس پر عمل کرے گا، اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گا۔

تنبیہ: 1۔ ’لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى اَوْ يَذَّكَّرُ‘ میں ’اَوْ‘ منع خلو کے لیے ہے۔ کیونکہ کوئی شخص تم سے ملنے کے لیے آئے تو اس کے تین حال ہو سکتے ہیں: 1۔ تمھیں اس سے اخلاقی فائدہ پہنچے؛ یہ اس صورت میں ہو گا کہ وہ خوش خصال و پاکیزہ خو ہو اور نیک و صالح آدمی کی صحبت بڑی مفید ہوتی ہے۔ 2۔ تم سے اُسے اخلاقی فائدہ پہنچے، جب کہ وہ نصیحت پذیر ہو۔ اچھی بات کو بہ گوشِ قبول سننے والا ہو۔ 3۔ اُس سے اخلاقی نقصان پہنچے، جب کہ وہ بد خصال و شیطان صفت ہو۔ وہ شخص جانتا تھا کہ یہ نابینا تیسری قسم کا آدمی نہیں ہے، پہلی یا دوسری قسم کا ہے۔ اس لیے مقتضاے عقل یہی تھا کہ شرافت کے ساتھ اسے بٹھاتا اور اس سے بات چیت کرتا۔

2۔ ’اِنَّهَا‘ کی ضمیر مونث اور ’ذَكَرَهٗ‘ کی ضمیر منصوب مذکر، دونوں قرآن کی طرف راجع ہیں۔ ’اِنَّهَا‘ ضمیر مونث کے ساتھ، اس لیے کہا ہے کہ اس سے مراد آیات قرآن ہیں۔ وعظ و نصیحت کے موقع پر پورا قرآن نہیں، بلکہ حسب موقع کچھ آیات سنائی جاتی ہیں اور ’ذَكَرَهٗ‘ ضمیر مذکر کے ساتھ اس لیے فرمایا ہے کہ مراد کل قرآن ہے۔ پورے قرآن کو ہی ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

3۔ جمہور مفسرین متقدمین و متاخرین نے ’عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓى‘ کا فاعل اور بعد میں آنے والی خطاب کی ضمیروں کا مخاطب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا ہے۔ اس کی بنیاد ایک غلط کہانی پر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے چند معزز لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ انھیں تبلیغ حق فرما رہے تھے کہ نابینا صحابی ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے اور

بولے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مجھے کچھ سکھا دیجیے (عَلِّمْنی مما علمك اللّٰه. اوقال اَرْشِدْنی)، آپ نے ابن ام مکتوم کو کوئی جواب نہ دیا اور ان لوگوں سے بات کرتے رہے، تب ابن ام مکتوم نے پھر کہا۔ آپ نے جواب نہ دیا اور اُنھی لوگوں سے بات کرتے رہے تو ابن ام مکتوم نے پھر عرض کیا۔ آپ کو ان کا یہ بیچ میں بولنا اور اصرار کرنا برا لگا، ناگواری کا اثر چہرۂ انور پر بھی پڑا۔ اس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ اس میں 'عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓی' سے 'كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ' تک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا ہے کہ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اشرافِ قریش سے بات قطع کر کے ابن ام مکتوم کی تشفی فرمانی چاہیے تھی کہ وہ طالب صادق تھے۔ اللہ سے ڈرنے والے، آپ نے ان پر سردارانِ قریش کو کیوں ترجیح دی۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب ابن ام مکتوم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ان کا اکرام فرماتے اور کہتے: مَرحَبًا بمن عاتبنی فیه ربی...

لیکن یہ کہانی بالکل غلط ہے۔ بخاری و مسلم تو کیا ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس کی تخریج نہیں کی، صرف ترمذی نے اسے نقل کیا ہے اور بتا دیا ہے کہ اس کی اسناد میں اختلاف و اضطراب ہے۔ بعض راویوں نے اسے عروہ بن زبیر تابعی کا قول بتایا ہے اور بعض نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا۔ ترمذی نے اس کی تخریج بہ ایں لفظ کی ہے:

عن عائشة قالت: انزل عبس وتولى فى ابن ام مكتوم الاعمى. اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعل يقول: يا رسول الله، ارْشِدْنى و عند رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل من عظماء المشركين فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يُعرض عنه و يقبل على الاٰخر و يقول: اترى بما أقول بأسا؟ فيقول: لا. ففى هذا انزل... هذا حديث حسن غريب و روى

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: سورۂ عبس و تولی ابنِ اُمِّ مکتوم نابینا کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ، میری رہنمائی فرمایئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے ایک بڑے مشرک سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابنِ اُمِّ مکتوم کی طرف سے توجہ ہٹانے اور اس سردار کی طرف متوجہ ہو جانے کے لیے

بعضهم هذا الحديث عن هشام بن عروة عن ابيه قال انزل عبس و تولی فی ابن ام مکتوم و لم یذکر فیه عن عائشة.

(ترمذی، ابواب التفسیر، سورۂ عبس)

اس سے فرمانے لگے: کیا تمھیں میری بات میں کوئی قباحت نظر آتی ہے؟ تو وہ کہتا: نہیں۔ اسی واقعے کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور بعض راویوں نے یہ حدیث ہشام بن عروہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ سورۂ عبس و تولی ابنِ اُمِّ مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور اس روایت میں حضرت عائشہ کا ذکر نہیں ہے۔''

جیسا کہ ناظرین دیکھ رہے ہیں، اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دولت مند و ذی اثر مشرکین میں سے ایک شخص کا ہونا اور آپ کا اس سے مصروف کلام ہونا مذکور ہے اور یہ بھی تصریح ہے کہ وہ مشرک آپ کی پند و موعظت سے متاثر ہو رہا تھا۔

اب ذرا سوچیے تو سہی اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو عتاب اور زجر و توبیخ کے مستحق تو ابن ام مکتوم ہوتے۔ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ 'عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی. اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی' فرما کر اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کا ذکر کیا ہے، جس نے نابینا کے اپنے پاس آ جانے کی وجہ سے منہ بنایا تھا اور رخ پھیرا تھا۔ پھر 'وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰٓی. اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی' فرما کر اس منہ بنانے والے رخ پھیرنے والے کو خطاب کر کے اس کی بے بصیرتی پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر مال داروں کی چاپلوسی کرنے اور دعوت حق لے کر آنے والے خیر خواہوں کے درمیانِ کلام میں بولنا کھلی ہوئی بدتمیزی ہے، جب کہ آپ وعظ و تبلیغ میں مصروف تھے۔ ابن ام مکتوم پر لازم تھا کہ صبر کرتے اور فارغ ہونے کے بعد آپ سے تعلیم و ارشاد کی درخواست کرتے اور ترمذی کی روایت میں تو بس ایک مرد مشرک کا آپ کے پاس ہونا اور آپ کا اس کو سمجھانے بجھانے میں مصروف ہونا مذکور ہے، مگر کچھ لوگوں نے اس پر یہ اضافہ کر دیا کہ ایک نہیں متعدد اشرافِ قریش تھے۔ ابوجہل، عقبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، بعض نے اس مجلس میں آپ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کا نام بھی شامل کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے یہ قصہ اس اسناد کے ساتھ لکھا ہے: حدثنی محمد بن

سعد قال: ثنی ابی قال: ثنی عمی قال: ثنی ابی عن ابیہ عن ابن عباس (تفسیر طبری، سورۂ عبس)، مگر اہل علم کے لیے یہ اسناد ہمیشہ ناقابل حل معمار ہی ہے۔ ابن جریر نے بہت سی روایات اس سلسلۂ اسناد کے ساتھ نقل کی ہیں اور اہل علم اسے ''اسناد مظلم'' کے سوا کچھ نہ کہہ سکے۔

امام ابو بکر ابن العربی کی معروف کتاب ''العواصم من القواصم'' کے محقق محب الدین الخطیب لکھتے ہیں:

اسناد: حدثنی محمد بن سعد قال: ثنی عمی قال: ثنی ابی عن ابیہ عن ابن عباس، یجھل علماء الجرح والتعدیل اسماء اکثرھم فضلا عن ان یعرفوا شیئا من احوالھم۔ یعنی اس اسناد کے اکثر ناموں کو ہی جرح و تعدیل کے ائمہ نہیں جانتے۔ ان کے حالات کا تو ذکر ہی کیا (العواصم من القواصم، تحقیق: محب الدین الخطیب، المطبعۃ السلفیہ القاہرہ، 1371 ہجری)۔

میں نے اپنے زمانہ کے متعدد اصحاب علم و نظر سے اس کے متعلق استفسار کیا ہے، کسی کے پاس اس معمے کا حل نہ تھا۔ مفسرین نے یہی بے سر و پا روایت لے کر دادِ تفسیر دے دی ہے۔ سچ ہے:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

4۔ 'صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ' اور 'بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ. کِرَامٍ بَرَرَۃٍ' کا مطلب بھی ان حضرات نے عجیب و غریب بیان کیا ہے۔ سب سے زیادہ غلط اور بے تکی بات مولانا مودودی نے لکھی ہے کہ 'سَفَرَۃٍ' سے مراد وہ فرشتے ہیں، جو قرآن کے ان صحیفوں کو اللہ تعالیٰ کی براہِ راست ہدایت کے مطابق لکھ رہے تھے۔ ان کی حفاظت کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک انھیں جوں کا توں پہنچا رہے تھے (تفہیم القرآن، سورۂ عبس، جلد ششم، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور)۔

کوئی بتائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیفوں میں لکھا ہوا قرآن نازل ہوتا تھا؟ تو پھر وہ فرشتوں کے لکھے ہوئے صحیفے جو انھوں نے آپ کو لا کر دیے تھے کیا ہوئے؟ کہاں گئے؟ آپ نے تو کبھی بھی کسی کو کوئی صحیفہ نہیں دکھایا۔

قرآن کی یہ تاثیر مشاہدے میں آ رہی ہے کہ جو بندہ اس پر ایمان لے آیا، وہ گناہوں سے پاک صاف غلط فکری و بد عقیدگی سے مبرا اور نیکو کار بن گیا۔ نفرت کرنے اور تغافل برتنے پر اسے ملامت فرمائی ہے۔ پس یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس

کا مصداق مانا جائے، حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ روایت نہ ہوتی، جس کی ترمذی و طبری نے تخریج کی ہے تو کسی شخص کا ذہن اس غلطی کی طرف جا ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ روایت ہی ان آیات کا صحیح مطلب سمجھنے سے مانع ہوئی ہے۔

5۔ فعل 'عَبَسَ وَ تَوَلّٰی' کا فاعل میں نے ایک کافر شخص سمجھا ہے۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ مجھ سے صدیوں پہلے گزرے ہوئے ایک مشہور عالم نے شرح صحیح بخاری میں یہی لکھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری'' میں لکھا ہے: لم یختلف السلف فی ان فاعل عَبَس ھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم واغرب الداودی فقال: ھو الکافر (9/521)۔ کاش! ابن حجر نے علامہ داؤدی کی پوری بات نقل کی ہوتی!

محمد سعد سلیم

علامات قیامت اور تاریخی واقعات:
بائیبل اور قرآن کی روشنی میں

(7)

["نقطۂ نظر" کا یہ کالم مختلف اصحابِ فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول — مسیح کی آمد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ دیگر پیشین گوئیوں کی طرح، اِس نزول کو علامتی طور پر ایک ریاست سمجھا گیا ہے۔ یہ علامتی تشریح کتابِ دانیال میں پیش کیے گئے رؤیا سے مطابقت رکھتی ہے، جہاں بابل کی سلطنت کے آخر کے دور کو ایک انسان سے تشبیہ دی گئی ہے۔[1]

یہ ریاست، انسانیت کے نجات دہندہ یا خدا کی طرف سے 'چنے گئے'، یعنی ایک مسیح کی مانند، یاجوج و ماجوج کے مابین عظیم معرکے میں ایک فیصلہ کُن کردار ادا کرتی ہے۔ جرمنی کی فاشسٹ

---

[1] ۔ دانیال 7:4۔

ریاست کے نتیجے میں یورپی اقوام کا ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہونا، جسے سورۂ کہف[2] میں صور پھونکنے سے پہلے یاجوج اور ماجوج کے ''ایک دوسرے پر موجوں کی طرح ٹکرانے'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اِسی ہول ناک تصادم کی عکاسی کرتا ہے۔

مزید برآں، یہ ریاست دجال (جھوٹے مسیحا)، یعنی سوویت یونین کے خلاف بھی صف بندی کرتی ہے — وہ طاقت جو انسانیت کو مصائب سے نجات کے جھوٹے وعدے دیتی رہی، مگر درحقیقت یہ الحاد، ریاستی ظلم و ستم اور مذہبی جبر کو فروغ دینے کا ذریعہ بنی۔ دوسری جنگِ عظیم سے لے کر سرد جنگ کے اختتام تک، امریکہ نے اِس پس منظر میں اِس علامتی کردار کو ادا کیا۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا دائرۂ کار حدیث میں بیان کیا گیا ہے، جہاں اُن کے دجال سے جنگ کرنے اور یاجوج و ماجوج کا مقابلہ کرنے کا ذکر ہے۔ ہمیں اپنی توقعات کو اِنھی واقعات تک محدود رکھنا چاہیے جو احادیث میں بیان کیے گئے ہیں، کیونکہ یہ واپسی حقیقی معنوں میں نبی کی واپسی نہیں، بلکہ ایک علامتی مظہر ہے۔ اگر دوسری جنگِ عظیم اور سرد جنگ کے دوران میں امریکہ ایک عالمی طاقت کے طور پر نمایاں کردار ادا نہ کرتا تو دنیا سائنسی ترقی اور جغرافیائی سیاست کے تناظر میں نہایت خوف ناک حد تک مختلف ہوتی، کیونکہ فاشسٹ اور کمیونسٹ ریاستوں کا تسلط عالمی حالات کو شدید متاثر کر سکتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسمانی نزول کے خلاف دلائل

اِس مضمون کا مقصد یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو جسمانی یا علامتی طور پر ثابت کیا جائے۔ معروف اسلامی اسکالر جاوید احمد غامدی صاحب نے اِس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔[3]

قرآن سے دلائل

جاوید احمد غامدی صاحب کے دلائل، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسمانی نزول کے خلاف

---

[2]۔ الکہف 18:99۔

[3]۔ نزول مسیح، سید منظور الحسن، نومبر 2023، غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، امریکہ۔

ہیں، کئی قرآنی حوالوں پر مبنی ہیں:

قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی تفصیل

قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں کو بیان کرتا ہے—اُن کی معجزاتی پیدایش سے لے کر اُن کی وفات، رفع اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے تک۔ تاہم، قرآن میں قیامت سے پہلے اُن کے نزول کا کوئی ذکر نہیں ملتا، جو جسمانی نزول کے تصور کے خلاف ایک اہم دلیل ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور رفع کا ذکر

قرآن واضح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر کرتا ہے۔ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب سے بچانے[4] اور اُن کی وفات کے بعد اُن کے رفع[5] کرنے کا واضح بیان موجود ہے۔

رفع کے بعد الوہیت کی لاعلمی

سورۂ مائدہ[6] میں قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے کبھی لوگوں کو اپنی یا اپنی والدہ کی عبادت کا حکم نہیں دیا۔ وہ مزید واضح کرتے ہیں کہ اُن کے رفع کے بعد انسانوں کے اعمال کا گواہ اللہ ہے اور اُنھیں اِن کے بعد کے حالات کا علم نہیں تھا۔

یہ لاعلمی اِس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ زمین پر واپس نہیں آئے تاکہ اِن واقعات کا مشاہدہ کر سکیں۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ یہ بیان صرف اُن لوگوں کے لیے تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں موجود تھے۔ تاہم، تاریخی شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام

---

[4]۔ النساء 4:157۔

[5]۔ آل عمران 3:55۔

[6]۔ المائدہ 5:116-117۔

کو الٰہی حیثیت دینے کا واقعہ 431ء میں مجمعِ افسس (Council of Ephesus) میں پیش آیا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کے صدیوں بعد کا واقعہ ہے۔

عیسائیت کی ابتدائی صدیوں میں اُن کی والدہ کو الٰہی حیثیت میں نہیں پوجا گیا تھا اور یہ تصور بعد میں ارتقاپذیر ہوا۔ یہ حقائق اِس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو سوال کیا جائے گا، وہ صرف اُن کے رفع سے پہلے کے پیروکاروں تک محدود نہیں، بلکہ اُن کے بعد آنے والے تمام عیسائیوں سے بھی متعلق ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی وفات اور رفع کے بعد اِس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے۔

جسمانی نزول کے خلاف اسلامی علما کی آرا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جسمانی واپسی پر بھی کئی علما نے سوال اُٹھائے ہیں۔ اِن میں سے کچھ آرا یہاں بیان کی جا رہی ہیں:[7]

- مولانا محمود حسن (مشہور حنفی اسکالر)—اُنھوں نے متعلقہ احادیث کو یہودی روایات سے متاثر قرار دیا اور اِن کی صداقت پر تنقید کی۔
- مولانا عبید اللہ سندھی—اُن کے مطابق یہودیوں نے اِن احادیث کو مسلمانوں کے غلبے کو کم زور کرنے کے لیے گھڑا۔
- علامہ محمود شلتوت (مصری اسکالر)—اُنھوں نے اِن احادیث کو تنقیدی نظر سے پرکھا اور اِن کی صداقت پر سوال اُٹھایا۔
- مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی—اُنھوں نے اِن احادیث کو ختمِ نبوت کے اصول سے متصادم قرار دیا۔
- مولانا ابوالکلام آزاد—اُن کا کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اُسی وقت تسلیم کیا جاسکتا ہے جب قرآن اِس کا واضح طور پر ذکر کرے۔
- علامہ محمد اقبال—اُنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے تصور کو اسلام سے

---

[7]۔ نزول مسیح، سید منظور الحسن، نومبر 2023ء، غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، امریکہ۔

باہر کے اثرات کا نتیجہ قرار دیا۔

- قمر احمد عثمانی (دیوبندی عالم)—اُنھوں نے ختمِ نبوت کے اصول کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے امکان کے منافی قرار دیا۔

عمومی غلط فہمی کا ازالہ

سورۂ نساء کی آیت 159 میں ہے:

”اِن اہلِ کتاب میں سے ہر ایک اپنی موت سے پہلے لازماً اِسی (قرآن) پر یقین کر لے گا اور قیامت کے دن یہ اِن پر گواہی دے گا۔“

یہ آیت اکثر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسمانی نزول کے حق میں پیش کی جاتی ہے۔

تاہم، اِس آیت کا سیاق وسباق واضح کرتا ہے کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے اہلِ کتاب کے بارے میں ہے۔ یہ ایک انتباہ کے طور پر پیش کی گئی ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے قرآن کو اللہ کی کتاب کے طور پر تسلیم کریں گے، چاہے وہ اِس کا اقرار نہ کریں۔ قیامت کے دن یہ اعتراف اُن کے خلاف شہادت کے طور پر پیش کیا جائے گا۔

صحیح احادیث کا علامتی مفہوم

اِس مضمون میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق صحیح احادیث کو مستند تسلیم کیا گیا ہے، لیکن اِن احادیث میں بیان کردہ قیامت سے پہلے کے واقعات کو جسمانی واپسی کے بجائے تشبیہات کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

[باقی]

ڈاکٹر عمار خان ناصر / ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن

مطالعۂ مسندِ احمد

(مسندِ احمد کی احادیث سے متعلق استفسارات اور ان کا جواب)

(3)

مسند ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

مطیع سید: مسند احمد کا آغاز حضرت ابو بکر صدیق کی روایات سے ہوا ہے۔ ان کی بہت کم روایات ہیں۔ اس کی وجہ جو سننے میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ چونکہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وقت کم ملا، لہٰذا ان کو زیادہ روایات بیان کرنے کا موقع نہیں ملا، لیکن انھوں نے اڑھائی سال کا عرصہ گزارا ہے اور پھر ان کا دور بڑے اہم واقعات کا دور ہے۔ اس اعتبار سے تو ان کی بہت ساری مرویات ہونی چاہییں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ کیا وجہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق سے روایات بہت کم مروی ہیں؟

عمار ناصر: اس میں دونوں پہلو ہیں: یہ پہلو بھی ہے جو آپ بتا رہے ہیں کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اڑھائی سال کا عرصہ ہی ملا۔ اس میں بھی بنیادی طور پر ان کی مصروفیت یا اشتغال لوگوں کو دین سکھانے سے یا احادیث بیان کرنے سے تو نہیں تھا۔ وہ خلافت کی ذمہ داریاں انجام دینے میں مصروف تھے اور امورِ مملکت کی انجام دہی میں اور امت کی شیرازہ بندی میں لگے ہوئے تھے۔ علمی کام کی طرف بنیادی طور پر متوجہ نہیں تھے۔ اس لحاظ سے ان کی مرویات کم ہی

ہونی چاہییں۔ دوسری بات یہ کہ اکابر صحابہ کا اصولی مسلک بھی یہ نہیں تھا کہ احادیث کو کثرت سے بیان کیا جائے۔ ان کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ جو بھی احادیث ان کے علم میں ہیں، وہ ساری کی ساری ضرور روایت کی جائیں۔ اکابر صحابہ ضرورت کے موقع پر ہی احادیث بیان کرتے تھے، یعنی جب کوئی ایسا سوال سامنے آجاتا جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کو معلوم ہوتی تھی تو اُس کے جواب میں ہی وہ اِسے بیان کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا۔ خاص طور پر احادیث کو لکھ کر محفوظ کرنے سے تو وہ سخت اجتناب کرتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق انھوں نے ایک موقع پر کچھ اہم احادیث جمع بھی کی تھیں، لیکن پھر انھیں جلا دیا۔[1]

مطیع سید: ان کی مرویات کا مضمون دیکھیں تو وہ بالکل سادہ سی چیزیں ہیں۔ زیادہ تر انھوں نے نصیحت کی باتیں یا دعائیں نقل کی ہیں۔ خاص یا اہم معاملات سے متعلق ان کی روایات بہت کم ہیں، حالاں کہ سب سے زیادہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی ان کا علم ہو سکتا تھا۔

عمار ناصر: میرے خیال میں تو ایسا نہیں ہے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے بہت سے اہم مسائل بھی آئے ہیں اور ان میں انھوں نے احادیث بیان کی ہیں۔ مثلاً آپ دیکھیں کہ قریش کی خلافت کے معاملے میں انھوں نے انصار کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا حوالہ دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے لیے جگہ کے انتخاب کا مسئلہ سامنے آیا تو حضرت ابو بکر نے ہی یہ حدیث بیان کی کہ نبی کی قبر وہیں بنائی جاتی ہے، جہاں ان کا انتقال ہوا ہو۔ اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فدک وغیرہ کی وراثت کا مطالبہ لے کر آئیں تو اس میں بھی حضرت صدیق اکبر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا حوالہ دے کر ہی ان کا مطالبہ ماننے سے انکار کیا۔ مزید آپ دیکھیں تو مرتدین کے خلاف قتال کا فیصلہ کرتے ہوئے بھی مشہور حدیث 'امرت ان اقاتل الناس' زیر بحث آئی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مرتدین کے خلاف جہاد کا امیر مقرر کرتے ہوئے بھی انھوں نے حدیث کا حوالہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو 'سیف من سیوف اللہ' قرار دیا تھا۔

عہد نبوی کے کئی اہم واقعات بھی ان سے مروی ہیں۔ مثلاً سفر ہجرت کی داستان براء بن

---

[1]۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی 1/10-11۔

عازب نے ان سے خاص طور پر سنی تھی۔ اسی طرح یہ واقعہ بھی انھوں نے بیان کیا ہے کہ 9ر ہجری میں حج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے متعلق کچھ اہم اعلانات کرنے کی ہدایت ان کو دی تھی، لیکن پھر ان کے پیچھے یہ ذمہ داری ادا کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ ماعز کو رجم کرنے کا واقعہ بھی انھوں نے بیان کیا ہے۔ مواشی کی زکوٰۃ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شرحیں مقرر کی تھیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کے لیے باقاعدہ ان کی ایک تحریر لکھوا دی تھی۔ قیامت کے دن لوگ مختلف انبیا کے پاس سفارش کی درخواست لے کر جائیں گے، یہ حدیث بھی تفصیل سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دجال کے، خراسان سے نمودار ہونے سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بھی ان کی مرویات میں شامل ہے۔ یزید بن ابی سفیان کو انھوں نے شام کا والی مقرر کیا تو حکمران کی ذمہ داری سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان کو خاص طور پر بیان فرمایا۔ تو یہ ساری مرویات اہم واقعات سے متعلق ہیں۔

مطیع سید: حضرت ابو بکر نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ تم لوگ قرآن کی یہ آیت پڑھتے ہو اور اس کا غلط مفہوم مراد لیتے ہو: ’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ۚ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ ؕ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ‘ (المائدہ 5:105)، جب کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ لوگ جب منکر کو دیکھیں اور اس پر انکار نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔[2] اس میں حضرت ابو بکر نے حدیث کی روشنی میں یہ تو واضح فرمایا ہے کہ منکر پر نکیر کرنا ضروری ہے، لیکن آیت کا مفہوم لوگ کیسے غلط سمجھ رہے ہیں، اس کی وضاحت نہیں فرمائی تو اس ظاہری مفہوم میں لوگ کیا غلطی کر رہے تھے؟

عمار ناصر: جو ظاہری مفہوم لوگ سمجھ رہے تھے، یہ تھا کہ آدمی کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ اگر دوسرے لوگ منکر کا ارتکاب کر رہے ہوں تو اس پر نکیر کرنا انسان کی ذمہ داری نہیں۔ ظاہر ہے، یہ آیت کی مراد نہیں ہے۔ منکر پر نکیر کرنا اپنی جگہ ایک ذمہ داری ہے، لیکن اس کے بعد لوگ نہ سدھریں اور منکر پر قائم رہیں تو اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر نہیں آتی جنھوں نے اپنا

---

[2]۔ رقم 1، 6۔

فرض ادا کیا۔ حضرت ابو بکر حدیث کا حوالہ دے کر اسی غلطی کو واضح فرما رہے ہیں۔

سیاق و سباق کے لحاظ سے بھی دیکھیں تو آیت کی مراد یہ نہیں ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے اہل ایمان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی یا یہ کہ انھیں گم راہی میں مبتلا ہونے والوں کی کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے پچھلی آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب اہل کفر کی ہٹ دھرمی کو واضح کیا گیا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی بات تسلیم کرنے کے بجاے اپنے آباو اجداد کی پیروی پر مصر تھے۔ اس سیاق میں اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ اگر اتمام حجت کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اس کی کوئی ذمہ داری اہل ایمان پر نہیں ہے، کیونکہ اہل ایمان نے اپنی ذات کی حد تک تو ہدایت کی پیروی کو قبول کر لیا ہے اور وہ اسی کے مکلف ہیں۔ دوسروں کو زبردستی ہدایت پر لے کر آنا اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمے نہیں لگایا۔

مطیع سید: حضرت فاطمہ مدینہ اور فدک کی زمینوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا مطالبہ لے کر حضرت ابو بکر کے پاس گئی تھیں، لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور جواب میں فرمایا کہ 'إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِي هَذَا الْمَالِ'،[3] یعنی ان زمینوں سے آل محمد کی ضروریات تو پوری کی جائیں گی، لیکن وراثت کے طور پر انھیں نہیں ملیں گی۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ 'آل محمد' سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہی لے رہے ہیں، لیکن میں نے کچھ لوگوں سے سنا ہے کہ درودِ ابراہیمی میں جو 'آل محمد' آیا ہے، اس سے مراد تمام مسلمان ہیں۔ آپ کی کیا راے ہے؟

عمار ناصر: 'آل' کے لفظ میں تو کافی وسعت ہے۔ خاندان کے قریبی افراد کے لیے بھی آتا ہے، اولاد یا ذریت کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے 'آل عمران' اور 'آل ابراھیم' کی تعبیر قرآن میں آئی ہے، اور کسی کے پیروکاروں کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے قرآن میں 'آل فرعون' آیا ہے۔ لیکن پیروکاروں کے لیے یہ لفظ توسیعاً آتا ہے اور اس کے لیے قرینہ چاہیے ہوتا ہے۔ زبان کے لحاظ سے 'آل' کا اصل استعمال قریبی خاندان، یعنی بیوی بچوں کے لیے یا پھر اگلی نسلوں، یعنی ذریت کے لیے ہوتا ہے۔ درود ابراہیمی میں 'آل ابراھیم' سے مراد حضرت ابراہیم کی ذریت ہے۔ اس مناسبت سے 'آل محمد' سے بھی آپ کا خاندان اور آپ کی ذریت مراد ہے۔ بعض روایات

---

[3]۔ رقم 9۔

میں اس کی جگہ 'أزواجه وذريته' کے الفاظ آئے ہیں، اس سے بھی یہی مفہوم واضح ہوتا ہے۔

مطیع سید: حضرت ابو بکر نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا حوالہ دے کر واضح فرما دیا کہ یہ زمینیں وراثت میں تقسیم نہیں ہوں گی تو ایک روایت کے مطابق سیدہ فاطمہ نے ان سے کہا کہ ٹھیک ہے، آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنی ہے، اس کے مطابق آپ معاملے کو بہتر جانتے ہیں۔[4] لیکن دوسری روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سامنے آنے کے بعد بھی سیدہ فاطمہ اپنے مطالبے سے دست بردار نہیں ہوئیں، بلکہ سیدنا ابو بکر کے انکار پر ان سے ناراضی اختیار کر لی اور وفات تک ان سے گفتگو نہیں کی۔[5]

عمار ناصر: جی، یہ دو متعارض بیانات ہیں۔ حضرت فاطمہ کے بارے میں یہی روایت بخاری میں بھی ہے کہ انھوں نے حضرت ابو بکر کی اس وضاحت کو نہیں مانا اور باقاعدہ اس پر ان سے ناراض ہو گئیں اور پھر انھوں نے بات چیت بھی نہیں کی۔ اب اس کی تفصیل ہمارے سامنے نہیں کہ وہ کیوں اس سے مطمئن نہیں ہوئیں، کیونکہ روایت میں حضرت ابو بکر کا استدلال تو بڑا واضح انداز میں نقل ہوا ہے، لیکن حضرت فاطمہ جواب میں کیوں مطمئن نہیں ہوئیں یا کیا وجہ تھی کہ انھوں نے اس پر نہ صرف اختلاف رکھا، بلکہ ناراض ہو گئیں، یہ روایت میں بیان نہیں ہوا۔ البتہ مسند احمد کی جس روایت کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس میں بیان ہوا ہے کہ سیدہ فاطمہ نے بہ ظاہر حضرت ابو بکر کے استدلال کو قبول کر لیا۔ بعض دیگر روایات میں بھی بیان ہوا ہے کہ سیدنا ابو بکر نے وفات سے قبل سیدہ فاطمہ کو راضی کر لیا تھا۔[6] اگر یہ بات درست ہے تو پھر اشکال نہیں رہتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے بھی ان اموال میں اپنے حصے کا مطالبہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کا حوالہ دیتے ہوئے انھیں اس سے منع کیا تو ازواج نے ان کی بات تسلیم کر لی تھی۔[7] سیدہ فاطمہ نے بھی اگر

---

[4]۔ رقم 14۔

[5]۔ رقم 25۔

[6]۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم 12863۔

[7]۔ بخاری، رقم 6349۔ ابو داؤد، رقم 2977۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم 12510۔

ابتداءً یہ مطالبہ کیا ہو تو قابل فہم ہے، لیکن اگر یہ حدیث سامنے آنے کے بعد بھی وہ ناراض رہیں تو اس پر یقیناً اشکال پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ روایات میں اہل بیت کا استدلال نقل نہیں ہوا، اس لیے یہ سمجھنا بہ ظاہر مشکل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے باوجود کیونکر اپنے آپ کو ان اموال کی وراثت کا حق دار سمجھتے تھے۔ ممکن ہے کہ سیدہ فاطمہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعبیر و تاویل میں سیدنا ابو بکر سے اختلاف ہو اور وہ اسے ان اموال کے بہ طور وراثت تقسیم ہونے میں مانع نہ سمجھتی ہوں۔ ان کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ یہ مطالبہ لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلفا کے موقف سے متفق نہیں تھے۔ البتہ اہل بیت ہی کے ایک جلیل القدر بزرگ امام زید بن علی سے یہ منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر میں سیدنا ابو بکر کی جگہ ہوتا تو فدک کے بارے میں وہی فیصلہ کرتا جو انھوں نے فرمایا۔[8]

مطیع سید: یہ زمینیں دو تین مقامات پر تھیں۔ خیبر، فدک اور مدینے میں کچھ زمینیں تھیں۔ حضرت عمر نے مدینے کی زمین حضرت علی اور حضرت عباس کے حوالے کر دی، لیکن خیبر و فدک کی زمینیں نہیں دیں۔ کیا خلفا ان زمینوں کے بارے میں واضح نہیں تھے یا اپنے اپنے اجتہاد سے فیصلے کر رہے تھے؟ اگر مدینے کی زمین اہل بیت کے سپرد کر دی گئی تو خیبر اور فدک کی بھی تو دی جا سکتی تھی؟

عمار ناصر: نہیں، حضرت عمر نے بھی مدینے کی زمینیں بہ طور ملکیت ان کو نہیں دی تھیں۔ دراصل سیدنا ابو بکر کے انتقال کے بعد حضرت علی اور حضرت عباس، دونوں حضرت عمر کے پاس گئے تھے کہ شاید حضرت عمر کا موقف اس معاملے میں کچھ مختلف ہو۔ لیکن انھوں نے بھی اسی بنیاد پر انکار کر دیا۔ پھر حضرت علی اور حضرت عباس نے یہ کہا کہ ٹھیک ہے، یہ زمینیں بیت المال ہی کی رہیں، لیکن ان کا انتظام و انصرام آپ ہمارے سپرد کر دیں اور ہم اس میں وہی معاملہ کریں گے جو چلا آ رہا ہے تو حضرت عمر نے اس شرط پر مدینے کی اراضی کا انتظام ان کے سپرد کر دیا کہ وہ اسی طریقے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبے کی ضرورتیں پوری کریں گے اور جو بچ جائے گا، وہ صدقہ کر دیا جائے گا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد حضرت عباس اور حضرت علی کے مابین اس

---

[8]۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم 12524۔

کے انتظامی امور میں اختلافات پیدا ہو گئے تو وہ دوبارہ یہ قضیہ لے کر آئے اور بہت سے دوسرے حضرات کو، جن میں حضرت عثمان اور عبد الرحمٰن بن عوف بھی شامل تھے، ایک طرح سے بہ طور سفارشی ساتھ لائے۔ حضرت عباس نے حضرت علی کے بارے میں بڑی سخت باتیں کیں۔ ظاہر ہے، وہ ان کے بڑے بھی تھے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ چونکہ ہمارا جھگڑا ہو گیا ہے، اس لیے آپ انتظامی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے بھی زمین ہمارے مابین تقسیم کر دیں۔ یہ مطالبہ حضرت عمر نے نہیں مانا۔ ان کو خدشہ یہ تھا کہ اس طرح تقسیم کرنے کا مطلب عملاً یہ ہو گا کہ گویا زمین ان میں بہ طور ملکیت تقسیم کر دی گئی ہے۔

مطیع سید: آپ نے بتایا کہ وراثت کا مطالبہ صرف حضرت فاطمہ یا حضرت علی کا نہیں تھا، بلکہ ازواجِ مطہرات نے بھی یہی مطالبہ پیش کیا تھا، لیکن وہ عام طور پر ڈسکس نہیں ہوتا۔

عمار ناصر: اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے ممکنہ وارث ہو سکتے تھے، ان کے ذہن میں ابتداءً یہی تاثر تھا کہ یہ جو زمینیں ہیں جن سے ہمارے خرچ اخراجات کا بندوبست کیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ہمیں بہ طور ملکیت مل جائیں گی۔ چنانچہ ازواج نے بھی پیغام بھیجنے کا ارادہ کیا، لیکن حضرت عائشہ نے انھیں منع کیا اور سمجھایا کہ یہ ہمیں نہیں ملیں گی۔ اسی طرح حضرت فاطمہ بھی آئیں اور حضرت ابو بکر نے ان کو بھی یہی جواب دیا کہ ان زمینوں کی جو نوعیت آپ سمجھ رہی ہیں، وہ درست نہیں ہے۔ یہ بہ طور ملکیت نہیں دی گئیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کنبے کی ضروریات کے بندوبست کے لیے دی گئی ہیں۔ زمینیں بیت المال کی رہیں گی اور ان سے جو فصل آئے گی، اس سے آپ لوگوں کے اخراجات پورے کیے جائیں گے۔ اس کے بعد جو بچ جائے گا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی صدقہ کر دیا کرتے تھے اور ہم بھی اس کو صدقہ کر دیں گے۔ یہ حضرت ابو بکر کا موقف تھا۔ تو ازواج نے ایک دفعہ یہ مطالبہ کرنے کے بعد دوبارہ یہ بات نہیں کی اور اس دعوے سے دست برداری اختیار کر لی۔ چونکہ انھوں نے اصرار بھی نہیں کیا اور ان کے نام پر بعد میں اس طرح کی کوئی سیاسی گروہ بندی بھی نہیں ہوئی، اس لیے ان کا ذکر اس معاملے میں نہیں ہوتا۔ فرض کریں کہ ازواجِ مطہرات کی نسبت سے بھی کوئی سیاسی عصبیت امت میں قائم ہوتی تو ان کے حوالے سے بھی یہ بحث آج تک جاری ہوتی کہ ازواجِ مطہرات کو ان کا حق نہیں دیا گیا۔

مطیع سید: حضرت عمر بن عبد العزیز کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے فدک کو واپس کر دیا تھا۔ تو انھوں نے یہ کس کو واپس کیا تھا؟

عمار ناصر: عمر بن عبد العزیز نے دراصل حضرت معاویہ کے فیصلے کو واپس کر کے فدک کی اس حیثیت کو بحال کیا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کے زمانے میں موجود تھی۔ روایات میں بیان ہوا ہے کہ حضرت معاویہ نے فدک کی اراضی مروان کو الاٹ کر دی تھی۔ پھر مروان کے بعد یہ ان کے بیٹوں عبد الملک اور عبد العزیز سے ہوتی ہوئی عمر بن عبد العزیز تک پہنچی تو انھوں نے اس کی تحقیق کی کہ اس زمین کی نوعیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیا تھی اور پھر تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس کو اپنی ملکیت میں نہیں رکھیں گے، بلکہ اسے سرکاری اراضی کے طور پر بیت المال کو واپس کر دیں گے۔[9]

مطیع سید: تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو غلط یا ناجائز سمجھتے ہوئے اسے واپس کیا؟

عمار ناصر: نہیں، قانونی پہلو سے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ الاٹ کرنے کا فیصلہ ناجائز تھا۔ یہ بیت المال کی اراضی تھی اور بہ طور حکمران اپنے انتظامی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے وہ یہ زمین کسی کو بھی دے سکتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت سی سرکاری اراضی لوگوں کو الاٹ کی تھیں۔ عمر بن عبد العزیز سے اس کی وجہ یہ منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سیدہ فاطمہ نے آپ سے اس زمین کا مطالبہ کیا تھا، لیکن آپ نے ان کا مطالبہ نہیں مانا اور اسے بیت المال کی ملکیت ہی میں رکھا۔ پھر بعد میں خلفا نے بھی اس کی اسی حیثیت کو قائم رکھا۔ تو عمر بن عبد العزیز کو اس پہلو سے یہ محسوس ہوا کہ جو زمین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کو نہیں دی، میرا بھی اس پر حق نہیں بنتا اور بہتر ہے کہ اسے بیت المال کی اراضی کے طور پر ہی رکھا جائے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔

[باقی]

---

[9]۔ ابو داؤد، رقم 2972۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم 12864۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، رقم 9949۔

نعیم احمد بلوچ

حیاتِ امین

(سوانح مولانا امین احسن اصلاحی)

(27)

[صاحب ''تدبر قرآن'' کی وصیت کے مطابق
ان کے سوانح نگار نعیم احمد بلوچ کے قلم سے]

''میثاق'' کی اشاعت سے مولانا اصلاحی کو ایک بہترین پلیٹ فارم مہیا ہو گیا، جس کے ذریعے سے وہ مثبت تنقید بھی کرتے اور قوم کی بہتری کے لیے تجاویز بھی دیتے۔ ''میثاق'' کے اداریوں میں انھوں نے اپنا نقطۂ نظر واضح کیا۔ اس ضمن میں انھوں نے بہت سے معرکہ آرا مضامین لکھے۔ ان میں یہ مضامین خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

معاشرے کی اصلاح،
اہل سیاست کے طور طریقے،
انقلابی طریقۂ کار،
تحریک اور پروپیگنڈا،
دین کے کام کے لیے التزامِ جماعت،
دینی تعلیم و تربیت کے اداروں کا قیام،
تحفظ دین کا ایک منصوبہ۔

ان مضامین میں مولانا اصلاحی کے بیان کردہ نقطۂ نظر کا خلاصہ ہم ان نکات کی صورت میں بیان کر سکتے ہیں:

* پاکستان کے موجودہ معروضی حالات کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ملک میں سیاسی استحکام پیدا ہو۔

* موجودہ سیاسی جماعتوں میں ایسی کوئی جماعت نہیں جو ایسی حکومت بنا سکے جس سے سیاسی استحکام حاصل ہو۔

* دینی جماعتوں اور دین کا کام کرنے والے گروہوں اور شخصیتوں کے لیے سیاست بازی ایک بے فائدہ اور نقصان دہ کام ہے۔ انھیں چاہیے کہ مثبت طور پر لوگوں میں دینی شعور پیدا کریں۔ اس کے لیے ایسے ادارے بنائیں جہاں گروہی تعصبات سے پاک ہو کر اسلام کی تعلیم دی جا سکے۔ یہ جماعتیں کبھی بھی ایسی سیاسی عصبیت حاصل نہیں کر سکتیں جو ان کو اقتدار کی منزل تک لے جائیں۔ وہ اس بے فائدہ انتخابی سرگرمیوں میں طرح طرح کے تحفظات، غیر اخلاقی ہتھکنڈوں اور شرم ناک مصالحتی اقدام پر مجبور ہو جائیں گی جس سے وہ اپنی آخرت بھی کھوٹی کریں گی اور معاشرے میں بے وقار اور بے نام بھی ہو کر رہ جائیں گی۔

* نہ صرف پاکستان کے مختلف شہروں میں، بلکہ بیرونِ ملک مسلمانوں میں جدید پڑھے لکھے نوجوانوں کو اسلام کی ایسی تعلیم دی جائے جو ان کے کام آ سکے تاکہ وہ اپنے اپنے میدان اور شعبۂ زندگی میں مثالی رہنمائی سے معاشرے کے ہر طبقے میں تعمیر کا کام کر سکیں۔

اس حوالے سے ہم ان کے مضمون ''تحفظِ دین کا ایک منصوبہ'' کا ایک اقتباس یہاں نقل کرتے ہیں:

> ''ہم اس ملک میں اسلام کے مستقبل سے دل چسپی رکھنے والے ہر مسلمان سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلے پر تمام گروہی اور جماعتی تعصبات سے بالاتر ہو کر غور کرے اور اس مقصد کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے اس سے دریغ نہ کرے... اس وقت یہ بھی ضروری ہے کہ ایک ایسی تعلیمی اور تربیتی مجلس قائم کی جائے جو فی الحال مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کرے:
>
> 1۔ ایک ایسے کالج یا تربیتی ادارے کا قیام جو عربی اور انگریزی، دونوں زبانوں کا جامع ہو اور جس کا اسٹاف جدید اور قدیم، دونوں علوم کے ماہرین اور دینی اہمیت رکھنے والے فاضلین پر

مشتمل ہو۔

2۔ ایک دارالتصنیف کا قیام جو ان تمام مسائل پر جو اس وقت جدید فکر و فلسفہ اور اسلام کے تصادم سے پیدا ہو رہے ہیں، اعلیٰ پائے کی کتب تیار کرے۔ ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کرے۔

3۔ ایک مرکز اصلاحِ معاشرہ کا قیام جو معاشرے کی گرتی ہوئی اخلاقی حالت کو سنبھالنے اور اس کی اصلاح کے لیے وہ تمام مناسب تدبیریں اختیار کرے جو اس وقت اختیار کی جاسکتی ہیں۔

ان کاموں کے لیے تین قسم کے لوگوں کا تعاون مطلوب ہے۔ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان لوگوں کا جو اس مقصد کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اس کو بروے کار لانے کے لیے اپنی پوری محنت اور کوشش صرف کرنے کے لیے تیار ہیں۔

دوسرے درجے پر ایسے اصحاب علم کا جو مذکورہ بالا کاموں میں سے جس کام کے لیے ذہنی اور دماغی صلاحیتیں رکھتے ہیں، ان کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ عام اس کے کہ وہ قدیم تعلیم پائے ہوں یا جدید۔

تیسرے مرتبے میں ان لوگوں کا، جو ان مقاصد کے لیے سرمایہ اور وسائل فراہم کرنے کی پوزیشن میں ہیں اور ان پر اپنا سرمایہ خرچ کرنے اور ان کے لیے اپنے وسائل للہ و فی اللہ استعمال کرنے پر آمادہ ہیں۔

اگرچہ یہ بہ ظاہر تین مختلف قسم کے کام ہوں گے اور ان کے لیے افراد و اشخاص بھی تین مختلف قسم کے مطلوب ہوں گے، لیکن تمام کاموں کی روح اور ان تمام افراد کا نصب العین ایک ہو گا اور وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہد بندگی کو خود بھی از سر نو استوار کریں اور دوسرے اللہ کے بندوں کو بھی اس کے استوار کرنے کی دعوت دیں۔ تعلیم و تربیت ہو یا تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ ہو یا اصلاح معاشرہ کی جدوجہد، ہر کام میں یہی روح جاری و ساری ہونی چاہیے۔" (مقالاتِ اصلاحی 1/313)

مولانا اصلاحی کی ان تجاویز کو ان کے ہم خیال علما اور صاحب بصیرت دوستوں نے بڑی اہمیت دی اور ان کو دعوت دی کہ وہ ان بنیادوں پر ایک ملک گیر تنظیم کی بنیاد رکھیں۔ مولانا نے جماعت اسلامی کے پچھلے تلخ تجربے کی روشنی میں اس سے معذرت کی اور کہا کہ وہ اس طرح کی کسی

سرگرمی کو اپنے لیے اختیار کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ چنانچہ ''ایک نئی دینی تنظیم کی ضرورت'' کے عنوان کے تحت انھوں نے اپنے مضمون میں لکھا:

''بہ ہر حال ہم اس طرح کی کسی تنظیم کی ضرورت کو وقت کی ایک فطری ضرورت سمجھتے ہیں۔ اگر اللہ کے کچھ بندوں نے اس کے لیے قدم اٹھایا تو ہم ان کا خیر مقدم کریں گے۔ ان سے تعاون کریں گے اور اپنے پاس جو قوتیں اور صلاحیتیں ہیں ان سے ان کے ساتھ شرکت عمل کریں گے، لیکن یہ امر بھی ہم بے تکلف ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اس وقت ہمارے پیش نظر علم دین کی خدمت کے جو کام ہیں وہ ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم شرکت و تعاون سے آگے بڑھ کر اس طرح کی تنظیم کی ذمہ داری براہ راست اٹھائیں۔ ہم نے اپنے ذمے جو کام لے رکھے ہیں، ہماری طاقت نچوڑ لینے کے لیے وہی کافی ہیں۔ یہ کام کم از کم اپنی نگاہوں میں ایسے نہیں ہیں جن کو ہم نظر انداز کر سکیں۔ ہم تفسیر ''تدبرِ قران'' کی تکمیل اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ذی صلاحیت نوجوانوں کو علم دین سے آراستہ کرنے کی جدوجہد کو اس وقت نہایت ضروری کام سمجھتے ہیں۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ ان کاموں کے لیے تھوڑی بہت صلاحیت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

جو آدمی اپنی صلاحیتوں کے مطابق کام کرتا ہے، نیک نیت ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیتا ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ آدمی انبیا کے طریقے پر پورے دین کو لے کر نہیں اٹھ سکتا، بلکہ سچ پوچھیے تو ہم تو اس کو ایک خبط سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو ہما شما کے لیے اتنا ہی بس ہے کہ اپنی صلاحیت کے مطابق دین و ملت کی کوئی چھوٹی موٹی خدمت کر جائے۔ اگر اس کے ساتھ بنیادِ ملت کی ایک اکھڑی ہوئی اینٹ بھی اپنے ہاتھوں سے اس کی جگہ پر جم گئی تو شاید نجات کے لیے وہی کافی ہو جائے۔ اس کو حوصلے کی تنگی سمجھیے یا تجربے کی تلخی، سب کچھ پانے کے ادعا کے التزام میں سب کچھ کھو دینے کے بجاے، سلامتی اسی میں نظر آتی ہے کہ ملت اسلامیہ کی خدمت کے بے شمار گوشوں میں سے، جس خدمت کی صلاحیت اپنے اندر محسوس ہوئی ہے، اس کو لے کر بیٹھ گئے ہیں۔'' (مقالات اصلاحی 1 / 96-97)

یہاں ہم یہ الفاظ لکھنے سے اپنے آپ کو باز نہیں رکھ پا رہے کہ کاش! مولانا اصلاحی اس وقت بھی یہی سوچتے جب انھوں نے مدرسۃ الاصلاح چھوڑ کر مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کی

دعوت پر پٹھان کوٹ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ بے شک، وہ جماعت میں شمولیت اختیار کر لیتے، لیکن اسی طرح تعاون و شرکت فرماتے، جس طرح انھوں نے 1962ء میں یہ فیصلہ کیا تھا۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ تلخ حقیقت ہے کہ مدرسہ کی فضا ان کے لیے ساز گار نہیں رہی تھی اور مولانا مودودی رحمہ اللہ کا اصرار اس قدر زیادہ تھا کہ وہ نیم دلی ہی سے سہی، لیکن مدرسۃ الاصلاح چھوڑنے پر تیار ہو گئے تھے۔

مولانا اصلاحی اس وقت تک، یعنی 1961ء میں جناب خالد مسعود اور ان کے ساتھیوں کو اپنے خاص نقشے اور نصاب کے مطابق تدریس کا آغاز کر چکے تھے۔ اس حوالے سے انھوں نے ''میثاق'' میں ''حلقۂ تدبر قرآن'' کے نام سے ایک پورا مضمون لکھا۔ اس کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''حلقۂ تدبر قرآن ہمارے ایک دیرینہ خواب کی تعبیر ہے۔ ہمارا عرصے سے یہ خیال ہے کہ اب ہمارے ملک میں مذہب کو نئے خطرات سے بچانے کی اگر کوئی تدبیر ہے تو یہ ہے کہ ہماری قوم میں دین و دنیا، دونوں میں بصیرت رکھنے والے ایسے علما پیدا ہوں جو جدید (علمی) ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ہر محاذ پر مذہب کی خدمت کر سکیں۔ ہماری قوم میں جو پرانے علما اپنے علم و فضل کے لحاظ سے قابل اعتماد تھے، ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں جو چند ایک باقی ہیں وہ اب چراغ سحری کے حکم میں داخل ہیں۔ جن پرانی درس گاہوں سے یہ علما پیدا ہوئے تھے، ان کی کسمپرسی یوں تو ہمیشہ ہی سے قابلِ رحم رہی ہے، لیکن اب تو یہ بے بسی اور بے وقعتی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ان کا عدم اور وجود، دونوں تقریباً برابر ہیں۔ ہماری ساری قوم کی توجہ جدید تعلیم اور اس کے ذریعے سے سرکاری ملازمت کی طرف ہو چکی ہے۔ اب یہ دینی مدارس صرف یتیموں اور بے کسوں کی پناہ گاہیں بن کر رہ گئے ہیں جن کے لیے کہیں اور پناہ نہیں ہے۔ ان مدارس کے منتظمین بھی اول تو اتنے جامد ہیں کہ آسانی سے کسی تبدیلی اور اصلاح کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ اگر ان میں سے بعض آمادہ ہو بھی جاتے ہیں تو ان کے وسائل و ذرائع اس قدر محدود ہیں کہ اصلاح و ترقی کی کسی معمولی سے معمولی اسکیم کو بھی وہ عملی جامہ نہیں پہنا سکتے...

میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے ایک عرصہ تک اس قسم کے کام کی ذمہ داری براہ راست اپنے سر لینے سے گریز کرتا رہا، لیکن اس ضرورت کی اہمیت نے مجھے بھی مجبور کر دیا کہ میں اس کام پر کچھ وقت صرف کروں۔ چنانچہ علم دین کے جو قدردان مجھ سے ملتے رہتے تھے، میں نے

ان پر مشتمل ایک حلقہ قائم کر دیا۔ اس حلقہ میں میری طرف سے کسی دعوت کے بغیر طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد شامل ہو گئی جن کی اکثریت اعلیٰ تعلیم پائے ہوئے ہے۔ اس حلقہ کے قیام پر ابھی ایک شش ماہی سے زیادہ مدت نہیں گزری اور میں بھی اس پر ابھی روزانہ دو گھنٹے سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتا، تاہم اس کے جو نتائج میرے سامنے ہیں، ان سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر تین سال بھی یہ طلبہ میرے ساتھ وابستہ رہ سکے تو اتنے ہی وقت کے اندر جو میں ان پر صرف کرتا ہوں، ان کو کم از کم اس قابل تو کر ہی دوں گا کہ وہ غور و فکر اور تحقیق و تنقید کے ان مصادر اور ان مسائل سے براہ راست استفادہ کر سکیں، جن سے میں استفادہ کر سکتا ہوں۔

میں نے ان کو اس دوران میں سادہ طریقے پر عربی زبان کی تعلیم دی ہے اور ساتھ ہی قرآن مجید کی چند سورتوں اور حدیث کی کتابوں میں مسلم شریف کے درس دیے ہیں۔ قرآن مجید کے درس میں ان تمام مباحث سے تعارض کیا ہے جو ابتدائی مرحلے میں ضروری ہے۔ مثلاً تحقیقِ الفاظ، نحو، زبان، اسلوب، نظم، تاویل آیات اور استنباط احکام۔ حجج اور حکمت کی زیادہ نازک بحثیں ابھی نہیں اٹھائی ہیں۔ زندگی ہے تو بالترتیب دوسرے اور تیسرے سال میں بہ قدر ضرورت ان کو بھی شامل کر لوں گا تاکہ یہ قرآن کے فلسفہ، اس کے علم کلام اور اس کی حکمت سے بھی آشنا ہو جائیں۔ حدیث کی کتابوں میں مسلم شریف کا انتخاب میں نے اس خیال سے کیا ہے کہ تفہیم مطالب کے لیے اس کی ترتیب نہایت حکیمانہ ہے۔ اس کے دروس میں وہ تمام مباحث میں نے اٹھائے ہیں جو طلبۂ حدیث کے لیے ضروری ہیں۔ مصطلحات اور اصول فن سے بھی بہ قدر ضرورت بحث کی ہے۔ عقائد اور فقہی مسائل میں فقہا اور متکلمین کے نقطۂ نظر اور ان کے دلائل سے بھی آشنا کیا ہے۔ اِس زمانے میں حدیث کے خلاف جو شبہات و اعتراضات پیش کیے جاتے ہیں، وہ خاص طور پر دوران دروس میں پیش نظر رہے اور ان کو بھی صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان طلبہ کے ذہن چونکہ آزاد ہیں، اس وجہ سے یہ اپنے ہر قسم کے شبہات اور شکوک آزادی کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور میں ان کی اس آزادی کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں۔

یہ اللہ کا فضل ہے کہ اتنے عرصے میں ہر قسم کے سوالات زیر بحث آئے، لیکن کسی مسئلے میں بھی وہ غیر مطمئن نہیں رہے۔ میں اپنی اس کوشش کے نتائج کا اندازہ کرنے کے لیے خود بھی

ان سے وقتاً فوقتاً سوالات کرتا رہا ہوں اور بہ طور تحدیثِ نعمت اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کے جوابات میری توقعات سے کہیں زیادہ امید افزا ہوتے ہیں۔ میں نے کم و بیش چودہ سال عربی اور علوم دینیہ کے منتہی طالب کو قرآن، ادب اور فلسفۂ تاریخ کی تعلیم دی ہے، لیکن میں اس کے نتائج سے اتنا مطمئن کبھی نہیں ہوا جتنا مطمئن میں اس حقیر کوشش کے نتائج سے ہوا ہوں۔''

(مقالات اصلاحی 1/317-318)

[باقی]

ثاقب علی

قبرستان کی سیر

(یہ مضمون میرے مطالعے اور مشاہدے پر مبنی ہے، جسے تحریری شکل دینے میں AI (ChatGPT) سے معاونت لی گئی ہے۔)

[مختارات کا حصہ قدیم و جدید مصنفین کی منتخب تحریروں کے لیے مخصوص ہے۔ اس کا مقصد ماضی اور حال کے فکر و نظر کو قارئین کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اس میں ماضی کے نمایندہ اہل علم کی تصانیف سے ایسے اقتباس نقل کیے جاتے ہیں، جو ان کے افکار اور اسالیب کو نمایاں کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ نئے لکھنے والوں کی موثر اور معتبر تحریروں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اِس حصے کے مندرجات سے مدیر اور ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ ادارہ]

کچھ دن پہلے مجھے ایک بڑا قبرستان دیکھنے کا موقع ملا، جس میں ارد گرد کے کئی گاؤں کے لوگ یہاں اپنے مرحومین کو دفناتے ہیں۔ چلتے چلتے میں وہاں موجود کچھ قبروں کی تختیاں پڑھنے لگا۔ ان میں بعض لوگوں کی وفات کو چالیس یا پچاس سال گزر چکے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ تقریباً نصف صدی سے مٹی تلے دفن ہیں۔

میری نظر ایک قبر پر پڑی، جس پر لکھا تھا کہ یہ فلاں میجر صاحب کی قبر ہے۔ ان کے ساتھ ان کی زوجہ کی قبر تھی اور بالکل اسی کے پاس ان کے بیٹے کی قبر بھی تھی، جو خود بھی ایک افسر رہ

چکے تھے۔ مزید تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اس قبرستان میں کئی ایسی قبریں ہیں، جہاں ایک ہی گھر یا خاندان کے کئی افراد اکٹھے دفن ہیں۔ کسی پر حاجی، کسی پر راجہ، کسی پر کوئی اور منصب لکھا تھا، مگر سب مٹی تلے دفن ہیں۔

یہ ایک طاقت ور یاددہانی تھی کہ چاہے کوئی بادشاہ ہو یا گدا، گورا ہو یا کالا، مرد ہو یا عورت، اپنے کام میں کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو، موت سب کے لیے برابر ہے اور یہ سب کو آنی ہے۔ اگر ہم اپنے اردگرد دیکھیں تو ہر جگہ ایسے قبرستان ملیں گے جہاں ہر طرح کے لوگ دفن ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبروں کی زیارت فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ تمھیں موت کی یاد دلاتی ہیں۔[1] ترمذی کی روایت ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو رونے لگتے یہاں تک کہ ان کی ڈاڑھی تر ہو جاتی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور جہنم کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر روتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قبر آخرت کی پہلی منزل ہے، اگر وہ اس منزل پر نجات پا گیا تو اس کے بعد کی منزلیں آسان ہوں گی اور اگر یہاں اس نے نجات نہ پائی تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے سخت ہیں۔ اور کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے قبر سے زیادہ ہول ناک کوئی چیز نہیں دیکھی۔"[2]

قبرستان ہمیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ زندگی کی ہر گھڑی قیمتی ہے، اسے امتحان سمجھ کر گزارنا چاہیے اور موت کی تیاری کرنی چاہیے۔ یہ ہمیں اللہ اور موت کی یاد دلاتی ہے کہ زندگی عارضی ہے اور آخر کار ہمیں بھی موت کا سامنا کرنا ہے۔

---

[1]۔ مسلم، رقم 2259۔

[2]۔ رقم، 2308۔

عربی ادب قبل از اسلام 3

ڈاکٹر خورشید رضوی

نباتی و حیوانی زندگی

بعض محققین[1] کا خیال ہے کہ قدیم تاریخی ادوار میں عرب میں پانی اور سبزے کی قلت نہ تھی بلکہ برفانی ادوار کے بعد (Post-Glacial Times) رفتہ رفتہ یہاں کی زمین سے نمی اُڑتی گئی اور خشک صحرا پھیلتے گئے۔[2] بعض دوسرے محققین نے اس نظریے کو رد بھی کیا ہے۔[3] اُن کی رائے میں جزیرہ نما کی آب و ہوا میں کوئی معتد بہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ ہاں انتظامی بے اعتنائی کے باعث صحرا کی وسعت میں اضافہ ضرور ہوا ہے۔ دونوں گروہوں کے دلائل پر زور اور قابلِ غور ہیں۔[4] البتہ 1923ء میں جرمن مستشرق Bernard Moritz کی نباتی و حیوانی نوعیت کی

---

[1]۔ مثلاً اطالوی محقق Prince Leone Caetani اور جرمن عالم Hugo Winckler۔
(دیکھیے: Geog. Fact, 24-30)

[2]۔ چنانچہ عرب سے بیرون عرب مختلف سامی ہجرتوں کا سبب Winckler کے خیال میں یہی جغرافیائی تبدیلی تھی۔ یاد رہے کہ Winckler عرب کو سامیوں کا اصلی وطن قرار دیتا ہے۔

[3]۔ مثلاً Alois Musil اور Pere Henri Lammens۔
(دیکھیے: Geog. Fact,27-28)

[4]۔ ibid, 24-30

تحقیق نے اول الذکر نظریے کو تقویت پہنچائی۔ اُس کے تحقیقی نتائج کے مطابق عرب کی نباتی و حیوانی زندگی دور بہ دور واضح انحطاط کا شکار ہوئی ہے جس کا سبب خشکی میں اضافہ اور قابل کاشت زمینوں تک صحرا کا پھیلتے چلے جانا ہے۔[5] عرب کی نباتی و حیوانی زندگی کا جدید علمی سطح پر مطالعہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ قدیم عربی ادب میں پودوں اور جانوروں کی ایک بہت طویل فہرست موجود ہے[6] جس کے تفصیلی جائزے کے لیے الگ تحقیقی مطالعہ درکار ہے۔ بہت سے پودوں اور حیوانوں کے ساتھ مخصوص ادبی روایات و تلازمات بھی وابستہ ہیں جن کی طرف چند سرسری اشارے آیندہ صفحات میں ملیں گے۔

عرب کے نباتات و حیوانات کی بہت سی انواع اب معدوم ہو چکی ہیں، مثلاً: حیوانوں میں شتر مرغ (نعام: Ostrich) کا ذکر قدیم ادب میں عام ہے اور اسے سبک روی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ 1930ء تک یہ خاصی تعداد میں موجود تھا لیکن اس کے بعد اس کے پروں کے حصول کے لیے بڑے پیمانے پر اس کا شکار کیا جانے لگا حتیٰ کہ 1944ء کے لگ بھگ اس کی نسل ختم ہو گئی۔

نیل گائیں (بقر الوحش، مہا: Oryx)، جو قدیم قصائد کے حصۂ تشبیب کی ایک مستقل روایت ہیں اور جن کے غول محبوب کے اُجڑے ہوے دیار میں پھرتے دکھائے جاتے ہیں، شکار کے نتیجے میں شمالی صحرا یعنی نفود میں ناپید ہو گئی تھیں۔ الربع الخالی کے بعض حصوں میں البتہ کہیں کہیں ان کی نسل باقی رہ گئی تھی۔ 1961ء میں جنگلی حیات کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر ایک فنڈ مختص کیا گیا جس کے تحت عرب سے آخری تیس نیل گایوں میں سے کچھ جوڑے اری زونا (Arizona) کے Phoenix Zoo بھجوا دیے گئے جہاں اُن کی نسل میں افزونی ہوئی اور اُنھیں دوبارہ دنیا میں

---

[5] ibid, 28-29۔

[6] مختلف پودوں اور جانوروں کے کئی کئی ناموں کا سلسلہ بھی دراز ہے۔ جانوروں کو ناموں کے علاوہ کنیتوں سے بھی یاد کیا جاتا ہے، مثلاً: ابو فراس یا ابو الحارث: شیر، ابو جعدۃ: بھیڑیا، ابو الحصین: لومڑی، ابو الیقظان: مرغ، اُمّ عامر: لگڑ بگڑ، اُم اَربع و اربعین: کنکھجورا، ابن آویٰ: گیدڑ، ابن عرس: نیولا، ابن بقیع: کتا، ابن دأیہ: کوا وغیرہ۔

پھیلانے کی مساعی کا آغاز ہوا۔[7] عرب ممالک میں بھی ان کے تحفظ وافزایش کی مہم چلائی گئی چنانچہ 1979ء میں سلطان قابوس کے حکم سے عمان میں اس کام کے لیے "مشروع المہا العربیۃ" (The Arabian Oryx Project) کا منصوبہ بنایا گیا جو نیل گائے کے علاوہ بعض اور معدوم ہوتے ہوئے حیوانات کا بھی تحفظ کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر عربی تیندوا (Arabian Leopard)۔ اسی طرح 1986ء میں سعودی عرب میں "الہیئۃ الوطنیۃ لحمایۃ الحیاۃ الفطریۃ" (NCWCD- National Commission for Wild Life Conservation and Development) کا قیام عمل میں لایا گیا جو مسلسل اپنے منصوبوں پر عمل پیرا ہے۔[8]

مختلف نسلوں کے ہرن (ظبی، رئم وغیرہ)، جو غول در غول موجود تھے، رائفل کی آمد کے بعد سے تیزی کے ساتھ گھٹے ہیں۔

ببر شیر (اسد) بھی اب معدوم ہے۔ البتہ چیتے (نمر: Panther)، تیندوے (فہد: Leopard) کسی حد تک موجود ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں جنگلی بلاؤ (Wildcat) بھی پایا جاتا ہے۔

پہاڑی بکرے (وعل: Ibex)، چرخ یا لگڑ بگڑ (ضبع، اُمِّ عامر: Hyena)، بھیڑیا (ذئب)، لومڑی (ثعلب)، بندر (قرد)، گیدڑ (ابنِ آویٰ) ہنوز موجود ہیں۔

ظربان[9] (Polecat/ Skunk) وبر[10] (Cony or Hyrax)، خارمُوش (قُنفُذ: Hedgehog)، خرگوش (ارنب)، گوہ (ضب) اور جنگلی چوہوں میں یربوع اور جُراذ بھی بدستور

---

[7]۔ Time, Feb. 23, 1981, "Back from the Dead"

[8]۔ یہ معلومات جولائی 2003ء کے دوران انٹرنیٹ پر "Fauna & Flora of Arabia" کے تحت بعض ویب سائٹوں سے لی گئی ہیں، مثلاً:

1) The Saudi Arabian Information Resource

2) The Arbian Oryx Project

3) The Arabian Oryx Links

[9]۔ بلی کی جسامت کا ایک گوشت خور جانور جس کا رنگ سیاہی مائل خاکستری ہوتا ہے اور جسم سے بڑی ناگوار بُو اٹھتی ہے۔

[10]۔ سبزہ کھانے والا، بلی کے برابر تھوتھنی دار جانور جس کا گوشت لذیذ اور پوستین قیمتی ہوتی ہے۔

موجود ہیں۔

پرندوں میں عقاب، باز، کوے، چڑیاں، اُلو، گدھ، چنڈول یا چکاوک (قُنبرۃ: Lark) فاختہ، کبوتر، چکور، بٹیر، بلبل، ابابیل اور بھٹ تیتر (قطاۃ: Sand-grouse)، ہدہد (جس کا ذکر قدیم عربی ادب میں عام ہے) قابل ذکر ہیں۔ بہت سے مہاجر پرندوں کی آمد و رفت بھی جاری رہتی ہے۔

حشرات میں مختلف قسم کے سانپ، بچھو، کنکھجورے، مکڑیاں، چیونٹیاں، شہد کی مکھیاں اور ٹڈی دل اہم ہیں۔ ٹڈیاں صحرا نشینوں کے لیے پسندیدہ غذا کا درجہ رکھتی ہیں۔

پالتو جانوروں میں اونٹ، گھوڑا، بھیڑ بکریاں، خچر، گدھا، بلی، کتا (خصوصاً برق رفتار شکاری کتا "السّلوقی") اور گائے ہے جس کا قد عرب کی آب و ہوا میں پست رہ گیا ہے۔

ان جانوروں میں اونٹ کو عرب معاشرے میں ہزاروں سال سے مرکزی اہمیت حاصل رہی ہے جو صرف موجودہ دور کے مشینی وسائل کے مقابلے میں آکر ختم ہوئی ہے مگر آج بھی اندرونِ صحرا کا سفر اونٹ کے بغیر ممکن نہیں تاہم بدوی معیشت میں انقلاب کے باعث اب اونٹ کے مقابلے میں بھیڑ بکریاں زیادہ منافع بخش ہو گئی ہیں چنانچہ ان کی تعداد میں اضافہ اور اونٹوں کی تعداد میں کمی ہوتی چلی جارہی ہے ورنہ ماضیِ قدیم ہی نہیں ماضیِ قریب تک بھی بدوؤں کی زندگی میں اونٹ کی اہمیت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ اس پر سواری کرتے، خیمے لادتے، دودھ پیتے، گوشت کھاتے، اونٹ کی کھال اور اُون سے خیمے اور لباس بناتے اور مختلف کام نکالتے چلے آئے ہیں۔ اس کا فضلہ ایندھن کا کام دیتا رہا ہے۔ وہ لباس اور دیگر ضروریات خریدنے کے لیے اونٹ کو فروخت کر کے رقم حاصل کرتے رہے ہیں بلکہ ایک زمانے تک آپس کے لین دین میں خود اونٹ سکۂ رائج الوقت کا کام دیتا تھا۔ شدید پیاس اور پانی کی نایابی کے وقت بدو اونٹ کو ذبح کر کے اُس کی اوجھڑی سے پانی کا ذخیرہ نکال لیتا تھا۔ اسی سبب سے اونٹ کو "بدو کا ہمزاد" (The alter ego of the Bedouin) قرار دیا گیا ہے۔[11] اسی طرح Sprenger نے بدو کو "The parasite of the camel" (اونٹ پر پلنے والا کیڑا) قرار دیا ہے۔[12] یہی وجہ ہے کہ

---

[11]۔ Pere Lammens بحوالہ Geog. Fact, 59-60

[12]۔ Hitti, 22

اونٹ کے لیے عربی میں سینکڑوں نام ہیں اور قدیم شعری شہپارے اُس کے ذکر سے بھرے پڑے ہیں۔[13] اونٹ کی مختلف نسلیں ہیں جن میں بہترین وہ مانی جاتی ہیں جو زیادہ عرصے تک پانی کے بغیر گزارا کر سکیں اور اچھی رفتار پر روزانہ طویل مسافتیں طے کر لیں۔ اچھی نسل کے اونٹ گرمیوں میں تین چار دن پانی پیے بغیر روزانہ پچیس میل اوسط سفر کر لیتے ہیں۔ موسم بہار میں، جب گھاس چارہ دستیاب ہو، وہ بعض اوقات مکمل ایک مہینہ پانی کے بغیر گزار سکتے ہیں اور پانی میسر آجانے پر تیس گیلن تک پانی بیک وقت پی کر آیندہ کے لیے ذخیرہ کر سکتے ہیں۔[14] اُونٹ کے انھی غیر معمولی اوصاف اور اسی سخت کوشی کے باعث اُسے ''سفینۃ البرّ'' The Ship of''

---

[13] ۔Karl Brockelmann نے قدیم عربوں کی زندگی میں اونٹ کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے بعد کہا ہے کہ اونٹ عربوں کی فنی حس کو اُسی طرح بیدار کرتا تھا جس طرح ویدوں کے زمانے میں ہندوستان کے شعری تخیل کو ''گائے'' نے برانگیختہ کیا۔ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ رگ وید کی شاعری میں ''بیل'' کی روح جاری وساری ہے۔ (بروکلمان، 1/56)

[14] ۔Enc. Isl., 1/872; Badw۔ چنانچہ قدیم بدوی معاشرے میں پانی مل جانے پر اونٹوں کو زیادہ سے زیادہ پانی پلانے کے لیے یہ نفسیاتی طریقہ استعمال کیا جاتا تھا کہ دو دو اونٹوں کو پہلو بہ پہلو گھاٹ پر کھڑا کرتے تھے تاکہ ایک دوسرے کو پیتا دیکھ کر زیادہ سے زیادہ پانی پی لیں۔ اس پہلی مرتبہ کی سیرابی کو ''نہل'' کہتے تھے جس سے ''منہل'' بمعنی ''گھاٹ'' کا لفظ نکلا ہے۔ بعد ازاں جب آخری دو اونٹ پینا شروع کرتے تھے تو اولین دو اونٹوں میں سے ایک کو لا کر اُن کے درمیان کھڑا کر دیتے تھے۔ جب وہ اپنے دونوں طرف ایک ایک اونٹ کو پانی پیتے دیکھتا تو پھر سے پانی پینا شروع کر دیتا۔ اس دوسری مرتبہ کی سیرابی کو ''علل'' کہتے تھے۔ چنانچہ ''نہل وعلّ'' ''ایک بار پیا اور پھر دوبارہ پیا'' ایک محاورے کی صورت اختیار کر گیا جس سے مراد ''جی بھر لینا، خوب سیراب ہو جانا'' ہے۔ مثلاً دیکھیے: الحماسۃ، باب المراثی، نظم 7:

نهل الزمان وعلّ غير مصرّد

من آل عتّاب وآل الاسود

''زمانے نے آل عتاب اور آل اسود کا خون جی بھر کر پیا، بغیر اس کے کہ اس کی سیرابی میں کچھ کسر رکھی جاتی۔''

”The Desert یعنی ”سفینۂ صحرا“ کا لقب ملا ہے۔[15]

اونٹ کے بعد جانوروں میں گھوڑا[16] اہم رہا ہے۔ عربی ادب میں بھی اس کا ذکر عام ہے۔ عربی النسل گھوڑا اگرچہ دنیا بھر میں معروف ہے لیکن اپنی اصل کے اعتبار سے یہ عرب کا جانور نہیں بلکہ بہت قدیم زمانوں میں باہر سے یہاں پہنچا۔ ہاں یہاں آ کر چونکہ اُس کا خون ملاوٹ سے پاک رہا اس لیے اُس کی نسل زیادہ اصیل رہی۔ چونکہ گھوڑا پیاس جلد محسوس کرتا ہے اور اچھے درجے کا چارہ چاہتا ہے اس لیے عربوں کے ہاں گھوڑا پالنا ہمیشہ ایک مہنگا شوق رہا ہے۔ بدو لوگ خود صرف اونٹ کے دودھ سے پیاس بجھا لیتے اور پانی بچا کر گھوڑے کو پلا دیتے تھے اور بعض اوقات تو گھوڑے کی پیاس کو خود اپنے بچوں کی پیاس پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ گھوڑے کی پرورش کے لیے اس قدر تکلیف اُٹھانے کا باعث گھوڑے کی جنگی اہمیت رہی ہے۔ قبیلوں کی باہمی مار دھاڑ میں جارحیت اور مدافعت دونوں کے لیے گھوڑا اونٹ سے زیادہ کارآمد ہوتا ہے۔ گھوڑے کی دوسری اہمیت تجارتی نوعیت کی تھی۔ چنانچہ عربی گھوڑے ہندوستان، مصر اور مغربی ممالک کو برآمد کیے جاتے تھے۔ اب یہ دونوں حیثیتیں ختم ہو جانے کے باعث عربی گھوڑا معدوم ہوتا جا رہا ہے۔ ایک طرف جدید اسلحے نے اس کی جنگی اہمیت پر قلم پھیر دیا اور دوسری طرف رفتہ رفتہ بیرونِ ملک بھی اس کی پہلی سی مانگ نہیں رہی۔ علاوہ ازیں پٹرول کی دریافت نے عربوں کی معیشت کا نقشہ ہی

---

[15]۔ کشتیوں سے اونٹوں کی مشابہت کا ایک مبہم سا تصور پہلے پہل جاہلی دور میں طرفہ کے معلقے میں نظر آتا ہے (شعر 3۔ کأن حدوج المالکیۃ۔ الخ)۔

قرآن پاک کی آیت ’وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ‘ (23/22) میں یہ موازنہ زیادہ وضاحت سے سامنے آتا ہے۔ گویا جانوروں کو خشکی میں وہی حیثیت دی گئی ہے جو پانی میں کشتیوں کو۔

قدیم ترین ماخذ، جس میں اونٹ کے لیے باقاعدہ ”سفینۂ صحرا“ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، غالباً ذو الرمۃ (ف 117ھ / 735ء) کا یہ مصرع ہے:

سفینۃ برّ تحت خدّی زمامها

(دیوان ذی الرمۃ، 638)

[16]۔ Geog. Fact, 64-68

سرے سے بدل کر رکھ دیا چنانچہ صحرا نشینوں میں گھوڑا پالنے کا رواج قریب قریب ختم ہو گیا اور صرف شاہی خاندان یا امیر زادوں کے ایک ذاتی شوق کی حیثیت میں باقی رہ گیا اور اب اغلب ہے کہ موٹر کاروں کی فراوانی کے سبب یہ بھی دم توڑ رہا ہو گا۔

عرب کی نباتی زندگی کا خیال کیا جائے تو عموماً صرف کھجور کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اپنی ہمہ گیر افادیت کی بنا پر کھجور ایک طرف اور عرب کا باقی سارا نباتی ذخیرہ ایک طرف رکھا جا سکتا ہے۔ تپتے ہوئے ریگزاروں کے تناظر میں ایک خوشنما تضاد پیش کرتے ہوئے نخلستان سچ مچ جنتِ ارضی کے نمونے ہیں۔ اہل حضر کے لیے کھجور وہی حیثیت رکھتی ہے جو بدویوں میں اونٹ کو حاصل رہی ہے۔ کھجور غذائیت سے بھرپور ایک بنا بنایا کھاجا ہے جو دودھ کے ہمراہ ہزاروں سال تک عربوں کی مستقل روزمرہ غذا میں شامل رہا ہے۔ اُس کو سکھا لینے کے بعد تا دیر استعمال کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔ ''نبیذ'' اسی سے تیار کی جاتی ہے۔ اس کی گٹھلیاں کوٹ کر اونٹوں کو کھلائی جاتی ہیں۔ اس کے تنے مکانات کی تعمیر میں کام آتے ہیں اور اگرچہ یہ لکڑی عمدہ نہیں ہوتی تاہم چھوٹا موٹا فرنیچر بنانے کے بھی کام آسکتی ہے۔ اس کی چھال اور شاخیں ایندھن مہیا کرنے کے علاوہ چھت ڈالنے، ٹوکریاں اور چٹائیاں بُننے اور دیگر ہزاروں مقاصد کے لیے کام آتی رہی ہیں۔ چونکہ کھجور کے درخت کو شدید گرمی راس ہے اور خراب اور کھاری پانی بھی اس کی نشو و نما کے لیے کافی ہے اس لیے یہ عرب کے صحرائی ماحول میں اونٹ کی طرح ایک کم خرچ بالا نشین قسم کا عطیۂ خداوندی ہے۔[17] اہل حضر کے باغوں میں کھجوروں کی قطاروں کو وہی مالی اہمیت حاصل رہی ہے جو اہل بدو کے ہاں اونٹوں کے گلّوں کو حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں کھجور کے لیے بھی مترادفات کی کچھ ویسی ہی کثرت ہے جیسی اونٹ کے لیے ہے۔ کھجور کو مختلف مرحلوں پر مختلف نام دیے گئے ہیں، مثلاً: کچی کھجور ''لون'' ہے، اَدھ کچری ''بُسر''، پکی ہوئی تازہ کھجور ''رُطب'' ہے اور خشک ہو جانے پر ''تمر''۔ کھجور کی ان گنت اقسام ہیں۔ صرف مدینہ منورہ میں ایک سو چالیس کے قریب اقسام شمار کی گئی ہیں۔ کھجور آج بھی زمزم کے ساتھ تحفۂ حرم شمار

---

[17]۔ پروفیسر حتی کا قیاس ہے کہ کھجور سرزمین عرب کا اصل پودا نہیں بلکہ قدیم زمانے میں عراق سے یہاں لایا گیا۔ (Hitti, 20)

ہوتی ہے۔ کھجور کی یہ اہمیت اپنی جگہ مسلم لیکن عرب کی نباتی زندگی صرف کھجور تک محدود نہیں۔ درختوں میں جھاؤ کی دو قسمیں ''عضا'' اور ''اَثل'' (Tamarisk) بہت معروف ہیں۔ ''اَثل'' کو بستیوں اور کھیتوں کے گرد قطاروں میں لگا کر باڑ بنادی جاتی ہے جو ریتلی آندھیوں کو روکتی ہے۔ ''عضا'' کی لکڑی بڑی سخت ہوتی ہے اور اس کا کوئلہ دیر تک جلتا رہتا ہے اور بجھنے میں نہیں آتا چنانچہ ''جمر العضا'' (عضا کے انگارے) کی ترکیب عربی ادب میں اکثر ملتی ہے۔[18] ''طلح''، یعنی ببول یا کیکر کا درخت بھی عام ہے جس سے گوند نکلتا ہے۔[19] ''خروب'' یا ''خرنوب'' (Carob) بھی قابل ذکر ہے۔ علاوہ ازیں ''سدر''، یعنی بیری بھی عام ہے۔ عرعر (Juniper) کا ذکر گزر چکا ہے۔[20] ظفار اور بعض دوسرے مقامات پر کھجوروں کی بجائے یا اُن کے پہلو بہ پہلو ناریل کے درخت بھی پائے جاتے ہیں۔ بعض مقامات پر کھجور کی جگہ ''مُقل'' یا ''دوم'' (Gingerbread-tree) نے لے لی ہے[21] جو بڑی حد تک کھجور کا ہم رشتہ ہے لیکن اس میں کھجور کی طرح ایک تنا نہیں ہوتا بلکہ متعدد شاخوں والا تنا ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی قدیم عربی ادب میں سینکڑوں درختوں اور پودوں کے نام ملتے ہیں۔ کچھ عرصے سے نیم کے درخت نے عرب میں خوب جڑ پکڑی ہے اور اسی نام سے معروف ہے۔ میدان عرفات میں بھی حاجیوں کی سہولت کے لیے قطار اندر قطار نیم لگا دیے گئے ہیں۔ سرزمین عرب پھولوں اور پھلوں سے بھی خالی نہیں جن میں گلاب، چنبیلی، نازبو، پودینہ (نعناع)، صحرائی پودینہ (صعتر / زعتر: Thyme)، خزامیٰ (Lavender) اور بعض دوسرے خوشبو دار پھول شامل ہیں۔[22] اُقحوان (گلِ بابونہ

---

[18]۔ ''سیدُ الغَضا'' یا ''ذئبُ العضا'' (جھاؤ کا بھیڑیا) کی ترکیب بھی مستعمل ہے کیونکہ عضا کے جھنڈ میں رہنے والا بھیڑیا چالاک اور خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ (دیکھیے: معلقہ طرفہ، شعر 59)

[19]۔ گوند ببول کا انگریزی نام ''Gum-Arabic'' عرب ہی سے منسوب ہے۔

[20]۔ دیکھیے: ص 24 ح 1۔

[21]۔ Enc. Isl., 1/540

[22]۔ عربی ادب میں ایک خوشبودار گھاس ''عرار'' کا ذکر ملتا ہے چنانچہ الحماسۃ، باب النسیب نظم 13 کا یہ شعر ضرب المثل ہو گیا ہے:

Chamomile) سے دندانِ آبدار کو تشبیہ دی جاتی ہے۔ پھلوں میں انگور، انجیر، بادام، سنگترے، لیموں، خوبانی، آڑو، انار، سیب، تربوز، خربوزے، آلوچے، بیر، عنّاب،[23] املی، بہی، اور کہیں کہیں آم اور کیلے بھی پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ پودے باہر سے درآمد کیے گئے ہیں جن میں سے خاصی تعداد غالباً قدیم نبطیوں اور یہودیوں نے شمالی علاقوں سے لاکر یہاں لگائی۔ پھل عموماً کھجوروں کے باغ میں کھجوروں کی قطاروں کے درمیان بچی ہوئی زمین میں بوئے جاتے ہیں۔

ترکاریوں میں خاص خاص مولی، کدو، کھیرا، پیاز اور گندنا (کرّاث-Leek) ہیں۔

گیہوں، جو، مکئی، باجرہ، تمباکو، چاول اور مختصر سے پیمانے پر کپاس بھی کہیں کہیں کاشت کی جاتی ہے۔ چارے کے لیے برسیم کی کاشت بھی عام ہے۔

صحرائی نباتات میں "سنا"، گھیکوار (Aloe)، "سمح"، جس کے دانوں سے دلیہ تیار کیا جاتا ہے، اور "کمأۃ" (سانپ چھتری: Truffle) زیادہ معروف ہیں۔ "کمأۃ" بدوؤں کی خوراک میں شامل ہے اور اس کے کئی نام ہیں۔ درخت "اراک" (پیلو) بھی قابل ذکر ہے جس کی ٹہنیاں مسواکوں کا کام دیتی ہیں اور اونٹوں کے لیے نہایت عمدہ چارہ ہیں۔[24] اسی طرح ناگ پھنی

تمتّع من شميم عرار نجد

فما بعد العشية من عرار

"عرار نجد کی خوشبو سے جس قدر لطف اندوز ہو سکے ہو لے کہ آج شام کے بعد عرار کا کہیں نام نشان نہ مل سکے گا۔"

[23]۔ امرؤالقیس نے عقاب کے شکار کیے ہوئے پرندوں کے تروتازہ دلوں کو عناب سے تشبیہ دی ہے:

كأنّ قلوب الطير رطبًا ويابسًا

لدى وكرها العنّاب والحشف البالي

"اس کے گھونسلے کے آس پاس پرندوں کے تروتازہ اور سوکھے ہوئے دل یوں پڑے ہیں جیسے وہ (علی الترتیب) عناب اور سوکھی سڑی کھجوریں ہیں۔"

[24]۔ چنانچہ "اراک" پر پلے ہوئے اونٹوں کو "الاوارک" کہا جاتا ہے۔ (دیکھیے: الحماسۃ۔ باب الحماسۃ۔ نظم 13)

(''صبّیر'' یا ''صبّار'': Cactus) بھی اونٹوں کا اچھا چارہ ہے حالانکہ یہ تلخ اور خار دار ہوتا ہے۔ اونٹ کی ایسی ہی سخت جانیاں اُسے صحرا کا خاص جانور بناتی ہیں۔ ناگ پھنی سے مشابہ تھوہڑ (Cactiform Euphorbia) بھی صحرا میں پایا جاتا ہے۔

حضر موت کے قریب ''مہرۃ'' کے علاقے میں قدیم زمانے سے لے کر اب تک لوبان بدستور ملتا ہے۔ لوبان کے ساتھ ساتھ ''مُر'' (Myrrh) اور بلسم یا بام (Balsam or Balm) بھی قابل ذکر ہیں۔

رنگ دینے والے پودوں میں ''ورس''، مہندی (حناء) اور نیل (Indigo) ہیں۔

ان سب کے علاوہ ''قہوۃ'' یا ''کافی'' (Coffee) خاص طور پر قابل ذکر ہے جو یمن کی برآمدات میں سرفہرست ہے۔ قدیم تاریخی و ادبی مصادر میں اس کا ذکر موجود نہیں۔[25] قیاس ہے کہ یہ پودا چودھویں صدی عیسوی میں حبشہ سے جنوبی عرب لایا گیا۔

پہلی مرتبہ اس کا ذکر سولھویں صدی کی تحریروں میں ملتا ہے۔ بہرحال آج عرب کی معاشرتی زندگی میں، جس میں بدو و حضر یکساں طور پر شامل ہیں، ''قہوے'' کو روزمرہ کے سامان تواضع میں اہم ترین حیثیت حاصل ہے۔ خورونوش کی محفل اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور قہوے کی تعریف میں صحرانشینوں میں اُسی طرح کے اشعار رائج پائے گئے ہیں جیسے جاہلی ادب میں شراب کی تعریف میں نظم کیے جاتے تھے۔ اسی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حتّی نے اسے ''Wine of Islam'' کا نام دیا ہے۔

أهزّبه فی ندوة الحی عطفه

کما هزّ عطفی بالهجان الاوارك

''میں قبیلے کی بھری بزم میں مدح کر کے اُس کے کاندھے کو جنبش دوں گا (یعنی اُسے کیفیتِ سرور و اہتزاز میں لاؤں گا) جس طرح اُس نے اراک پر پلے ہوئے اعلیٰ نسل کے اونٹ عطا کر کے میرے کاندھے کو جنبش دی۔''

[25]۔ لفظ ''قہوۃ'' قدیم عربی ادب میں ملتا ہے لیکن ''کافی'' کے معنوں میں نہیں بلکہ ''شراب'' کے معنوں میں۔

تفصیلات کے لیے دیکھیے:

(1) Enc. Brit., 2:175-76, Arabia; Fauna, Flora.

(2) Enc. Isl., 1:540-42, DJazirat-al-Arab, Flora & Fauna.

(3) Hitti, 18-22

(4) Geo. Fact., 55-88,103-106

[باقی]

ڈاکٹر خورشید رضوی

اب سوچتا ہوں اِس جسدِ خاک میں تھا کون
مٹی میں شب و روز، مرے ساتھ ملا کون
تازیست مرے واسطے دروازہ نہ کھولا
دروازے کے پیچھے مگر استادہ رہا کون
بجتی ہوئی مٹی سے قدم میں نے نکالا
اور کون کی دہلیز پہ اک شور اٹھا، کون
میں وسعتِ افلاک میں ہوں کس سے گریزاں
پیچھا مرا کرتا ہوا آئے گا بھلا کون
کرنا تھا اُسے یاد کہ لی درد نے کروٹ
میں کس کو جگاتا تھا یہاں، جاگ اٹھا کون
مجھ سے جو یہ کہتے ہو، مٹا دے گا تجھے عشق
کچھ یہ بھی تو فرما دیا ہوتا کہ رہا کون

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

اٹھتی ہے موج، یورشِ غم کا خروش ہے
اِس پر بھی دیکھتا ہوں کہ دریا خموش ہے

ہاتھوں میں کیا ہے لمحۂ موجود کے سوا!
عالم یہ وہ ہے جس میں نہ فردا نہ دوش ہے

علم و ادب، نہ حسنِ طبیعت، نہ ذوق و شوق
تہذیب کا کمال یہی نائے و نوش ہے؟

یہ سرزمین وہ ہے کہ دھونی رمایئے
پھر جس کو دیکھیے، وہی حلقہ بگوش ہے

آتی تو آسماں سے ہے، کیا جانیے، مگر
ابلیس کی صدا کہ نوائے سروش ہے

کھلتے ہیں پھول پھر بھی برہنہ ہے شاخ شاخ
سونپا تھا جس کو باغ، وہی گل فروش ہے

جاوؔید اِس فضا میں کہاں احتسابِ خویش!
جس شخص کو بھی دیکھیے، آئینہ پوش ہے

شاہد محمود

خبر نامہ ”المورد امریکہ“

[دسمبر 2025ء]

”استفسار: ڈاکٹر عمار خان ناصر کے ساتھ“

غامدی سینٹر کے پلیٹ فارم سے ”استفسار: ڈاکٹر عمار خان ناصر کے ساتھ“ کے عنوان سے سوال و جواب کے ایک نئے سلسلے کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس پروگرام میں غامدی سینٹر کے اسکالر ڈاکٹر عمار خان ناصر علمی و فکری سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ نومبر 2025ء کے ان پروگراموں میں پوچھے گئے چند اہم سوال یہ ہیں: ”ایک مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلک کی طرف کب جا سکتے ہیں؟“، ”کیا غیر مسلموں کے لیے کافر کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے؟“، ”کیا غیر مسلموں پر اتمام حجت ہو چکا ہے؟“ اور ”کیا اسلامی ریاست کا قیام ضروری ہے؟“۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

Ask Ghamidi

یہ سوال و جواب کی آن لائن نشست ہوتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے ذہنوں میں اٹھنے والے دینی اور اخلاقی موضوعات سے متعلق سوالوں کے جوابات براہ راست غامدی صاحب

سے حاصل کر سکیں۔ ہر ماہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس نشست میں حصہ لیتی ہے۔ نومبر 2025ء میں اس نشست میں لوگوں کی طرف سے پوچھے جانے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: ''اگر اولاد اور بہن بھائی نہ ہوں تو وراثت کس کو ملے گی؟''، ''قسم کی حقیقت کیا ہے؟''، ''نذر پوری نہ کرنے کا کیا کفارہ ہے؟'' اور ''کیا فالوورز کے گناہوں کا بوجھ لیڈر پر ہو گا؟'' ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

''دین آسان ہے یا مشکل؟

نومبر 2025ء میں محمد حسن الیاس صاحب کو یوٹیوب پر نشر ہونے والے مقبول پروگرام ''Lunch with Lillas'' میں مدعو کیا گیا، جہاں انھوں نے ''دین آسان ہے یا مشکل؟'' کے موضوع پر مفصل گفتگو کی۔ پروگرام میں انھوں نے دین کے مختلف پہلوؤں کو عصری تناظر میں واضح کیا اور پروگرام کی میزبان ماہ نور صاحبہ کی طرف سے پوچھے جانے والے سوالات کے مدلل جوابات دیے۔ گفتگو میں زیرِ بحث آنے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: ''کیا اسلام کی نظر میں مرد و عورت برابر ہیں؟''، ''کیا اسلام میں چہرے کا پردہ کرنا فرض ہے؟'' اور ''کیا نیل پالش کے اوپر وضو ہو جاتا ہے؟''۔ اس پروگرام کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

''امام شاہ ولی اللہ کے کام کی اہمیت''

سید منظور الحسن صاحب کا یہ مضمون غامدی صاحب کی گفتگو سے ماخوذ ہے۔ مضمون میں شاہ ولی اللہ کے علمی مقام اور اُن کے منہاج فکر کی بنیادی اہمیت پر بات کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ دین کو سمجھنے کے دو بڑے منہاج ہیں: سلفی منہاج، جو احکام کی ظاہری اطاعت پر قائم ہے اور فقہ و تدبر کا منہاج، جو دین کو ایک مربوط نظامِ فکر کے طور پر دیکھتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ کی عظمت یہ ہے کہ انھوں نے فقہ و تدبر کی علمی روایت میں کھڑے ہو کر سلفی روایت کو بھی گہرائی سے سمجھا اور دونوں مناہج کو نہایت حکمت سے یکجا کر دیا۔ اُن کے کام نے دین کے مختلف پہلوؤں میں پائے جانے والے انتشار کو ختم کیا اور ایک ہم آہنگ اور متوازن نظامِ فکر پیش کر دیا، اسی وجہ سے دونوں علمی روایتوں کے لوگ انھیں اپنا امام مانتے ہیں۔ یہ مضمون ''اشراق'' امریکہ کے گذشتہ ماہ کے

شمارے میں پڑھا جا سکتا ہے۔

ہفتہ وار درسِ قرآن و حدیث

نومبر 2025ء میں غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری غامدی صاحب کے لائیو درسِ قرآن و حدیث کی نشستوں میں غامدی صاحب نے سورۂ حج کی آیات 59 تا 70 کا درس دیا، جب کہ درس حدیث کی نشستوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوابوں سے متعلق احادیث پر گفتگو کی۔ درس حدیث کی ان نشستوں میں زیر بحث آنے والے چند اہم نکات یہ ہیں: ''فرشتوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں گفتگو کرنا''، ''فرشتے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں حضرت عائشہ کو دکھانا''، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو جنگی لباس میں دیکھنا'' اور ''کھجوروں کے شہر کی طرف ہجرت''۔ قرآن و حدیث کے دروس کی ان نشستوں کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

''افکارِ غامدی''

''افکار غامدی'' غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر شروع کیا گیا ہفتہ وار پروگرام ہے۔ اس میں ماہنامہ ''اشراق امریکہ'' کے مدیر سید منظور الحسن غامدی صاحب کے افکار کی شرح و وضاحت کر رہے ہیں۔ اس پروگرام میں مختلف موضوعات کو زیر بحث لاتے ہوئے عام فہم انداز میں بات کو سمجھایا جاتا ہے۔ نومبر 2025ء میں اس پروگرام کی نشر ہونے والی اقساط کے عنوان یہ ہیں: ''علما کی اصل ذمہ داری''، ''دلوں پر مہر لگنے کی حقیقت'' اور ''فتویٰ فیصلہ ہے یا رائے؟'' ان پروگراموں کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''الخراج بالضمان کا صحیح تصور''

محمد حسن الیاس صاحب نے اپنے اس مضمون میں 'الخراج بالضمان' کی عام فقہی تعبیر پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے اس کے اصل مفہوم کی وضاحت کی ہے۔ مضمون میں بتایا گیا ہے کہ اس

روایت کا مقصود صرف یہ ہے کہ نفع اسی کا حق ہے جو کسی شے کی کفالت اور ذمہ داری اٹھائے، جب کہ بعد کے فقہانے اسے محض مالی نقصان سے جوڑ کر ایک کلی اصول بنالیا۔ لکھتے ہیں کہ لغت، سیاق اور مختلف عقود کی نوعیت کے لحاظ سے یہ تعبیر درست نہیں، کیونکہ ہر معاملہ اپنی اپنی نوعیت کے مطابق الگ ذمہ داری طے کرتا ہے اور نفع انھی ذمہ داریوں کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ مضمون ''اشراق'' امریکہ کے نومبر 2025ء کے شمارے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

''تفہیم الآثار'' سیریز

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام ''تفہیم الآثار'' کے عنوان سے نشر ہونے والے پروگرام میں صحابہ و تابعین کے آثار کی شرح و وضاحت اور منتخب آثار پر مبنی سوال و جواب کی نشستیں ریکارڈ کی جارہی ہیں۔ اس پروگرام کی میزبانی کے فرائض ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن سرانجام دے رہے ہیں، جب کہ ڈاکٹر عمار خان ناصر اس میں بہ طورِ مہمان شریک ہیں۔ نومبر 2025ء میں اس سیریز کے تحت منعقد ہونے والی نشستوں میں ''صحابۂ کرام میں کتابتِ حدیث سے گریز کا رجحان''، ''جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہونے کی وجہ''، ''حضرت ابو بکر صدیق کا مرتدین کو خط''، ''صحابۂ کرام میں کتابتِ حدیث کے اہتمام کا رجحان'' اور ''حدیث کی جمع و تدوین اور امرائے بنوامیہ'' جیسے اہم موضوعات پر گفتگو کی گئی۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

''اتمام حجت'' کا انگریزی زبان میں خلاصہ

شہزاد سلیم صاحب 23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز میں اب تک کے زیر بحث آنے والے تمام موضوعات کا انگریزی زبان میں خلاصہ بیان کر رہے ہیں۔ نومبر 2025ء میں شہزاد سلیم صاحب نے 23 اعتراضات کی سیریز میں زیر بحث آنے والے موضوع ''اتمام حجت'' کا خلاصہ بیان کیا۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

مولانا اصلاحی کی جماعت اسلامی سے علیحدگی اور نئی مصروفیات

''حیاتِ امین'' کی گذشتہ ماہ شائع ہونے والی قسط میں مولانا امین احسن اصلاحی کی جماعت

اسلامی سے علیحدگی اور بعد کی علمی جدوجہد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مضمون میں مولانا اصلاحی کے مولانا مودودی کے نام خط کا حوالہ دیتے ہوئے اُن کے فکری و انتظامی اختلافات کی وجہ سے دیے گئے استعفے کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اُن کی نئی علمی مصروفیات، نوجوان شاگردوں کی تربیت، اور ماہنامہ ''میثاق'' کے اجرا کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ مزید برآں، 1965ء کے صدارتی انتخابات کے موقع پر جماعت اسلامی کی پالیسی پر مولانا اصلاحی کی علمی تنقید کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے، جو اُن کے فکری استقلال اور اصولی موقف کی نمایندگی کرتا ہے۔

''ایمان و عقائد''

شہزاد سلیم صاحب ''میزان لیکچرز سیریز'' کے تحت غامدی صاحب کی کتاب ''میزان'' کی انگریزی زبان میں تدریس کر رہے ہیں، تاکہ انگریزی جاننے والے حضرات بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ نومبر 2025ء میں انھوں نے اس سیریز کے تحت ''ایمان و عقائد'' کے موضوع پر دو لیکچرز ریکارڈ کرائے۔ یہ لیکچرز غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہیں۔

غامدی سینٹر کی آن لائن خانقاہ

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری آن لائن خانقاہ کی گذشتہ ماہ منعقد ہونے والی نشستوں میں زیر بحث آنے والے چند اہم نکات یہ ہیں: ''زندگی میں دعا کا کردار''، ''کسی کو نظر لگنے کے بعد صدقہ کرنا''، ''ایمان کا ارتقا''، ''ایمان سے توہمات کی طرف مائل ہو جانا'' اور ''انسانی صلاحیتوں کے سات پہلو''۔ آن لائن خانقاہ کی ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جا سکتی ہے۔

''اسلام اسٹڈی سرکل''

شہزاد سلیم صاحب ''اسلام اسٹڈی سرکل'' کے عنوان سے ہر ماہ ایک سیشن کا انعقاد کرتے ہیں۔ اس میں وہ مختلف دینی، اخلاقی اور سماجی موضوعات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کرتے ہیں۔ یہ سیشن تین حصوں پر مشتمل ہے: پہلے حصے میں قرآن مجید کی آیات سے ایک موضوع منتخب کر کے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ دوسرے حصے میں منتخب احادیث نبوی پر گفتگو

ہوتی ہے۔ تیسرے حصے میں بائیبل کے کسی اقتباس کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ پروگرام کے آخر میں موضوع سے متعلق سوالوں کے جواب بھی دیے جاتے ہیں۔ پچھلے مہینے کے سیشن میں ''خدا کا بندہ''، ''کچھ قیمتی خصوصیات''، ''خدا کی اطاعت کا بوجھ'' اور ''ایک بری عادت جس سے میں چھٹکارا چاہتا ہوں'' جیسے موضوعات زیر بحث رہے۔ سیشن کے آخر میں حاضرین کی طرف سے پوچھے گئے سوالات کے جواب دیے گئے۔ یہ سیشن انگریزی زبان میں ہوتا ہے۔ اس سیشن کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

''علم و حکمت: غامدی کے ساتھ''

نومبر 2025ء میں ''دنیانیوز'' پر نشر ہونے والے غامدی صاحب کے ہفتہ وار پروگراموں میں زیر بحث آنے والے سوالوں میں سے چند اہم سوالات یہ ہیں: ''حق کو سمجھنے میں غلطی کے اسباب کو کیسے دور کیا جائے گا؟''، ''کیا رفع یدین کا مسئلہ حق و باطل کا مسئلہ ہے؟''، ''شورائیت اور مغربی جمہوریت میں فکری و عملی ہم آہنگی کیسے ممکن ہے؟'' اور ''اس کی کیا دلیل ہے کہ نظام مشورے سے وجود پذیر ہو گا؟''۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم کے آن لائن نجی مشاورتی سیشن

ڈاکٹر شہزاد سلیم ہر ماہ آن لائن نجی مشاورتی سیشنز کا اہتمام کرتے ہیں، جن میں شرکا اپنے ذاتی اور خاندانی نوعیت کے مسائل پر رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ گذشتہ ماہ اس سلسلے کے 40 سے زائد سیشنز منعقد ہوئے، جن میں شرکانے والدین کو درپیش مشکلات اور نوعمری کے مسائل کے حل کے لیے ڈاکٹر شہزاد سلیم سے مشاورت کی۔

دینی آرا پر مبنی فتاویٰ کا اجرا

شریعت کے قانونی اطلاقات کے حوالے سے لوگ اکثر ''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ'' سے رابطہ کرتے ہیں۔ انھیں نکاح و طلاق، وراثت (inheritance) اور بعض دیگر معاشی اور معاشرتی پہلوؤں سے اطلاقی آرا کی ضرورت ہوتی ہے۔ گذشتہ ماہ اسی نوعیت کی مختلف

ضرورتوں کے تحت متعدد فتوے جاری کیے گئے۔ انھیں جناب جاوید احمد غامدی کے فکر کی روشنی میں حسن الیاس صاحب نے جاری کیا۔

''البیان'' کی انگریزی زبان میں تدریس

شہزاد سلیم صاحب نے غامدی صاحب کی تفسیر ''البیان'' کی انگریزی زبان میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے نومبر 2025ء میں سورۂ انعام کی آیات 153 تا 165 کا درس پیش کیا۔ یہ اقدام اس مقصد کے تحت کیا جارہا ہے کہ انگریزی زبان جاننے والے اہلِ علم بھی ''البیان'' کے فہم سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مذکورہ نشستوں کی ویڈیو ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دستیاب ہے۔

Ask Dr. Shehzad Saleem

شہزاد سلیم صاحب ہر ماہ سوال وجواب کی لائیو نشست منعقد کرتے ہیں، جس میں وہ لوگوں کے ذہنوں میں اٹھنے والے مختلف دینی، اخلاقی اور معاشرتی موضوعات سے متعلق سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ اس نشست میں لوگ اردو اور انگریزی، دونوں زبانوں میں اپنے سوال پوچھ سکتے ہیں۔ سوال وجواب کی ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

فہیم احمد

اشاریہ ماہنامہ ”اشراق“ امریکہ 2025ء

قرآنیات

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	البیان: البقرہ 2: 224-232 (17)	جاوید احمد غامدی	18
فروری	البیان: البقرہ 2: 233-242 (18)	″	17
مارچ	البیان: البقرہ 2: 243-253 (19)	″	6
اپریل	البیان: البقرہ 2: 254-260 (20)	″	16
مئی	البیان: البقرہ 2: 261-271 (21)	″	12
جون	البیان: البقرہ 2: 272-286 (22)	″	9
جولائی	البیان: آل عمران 3: 1-17 (1)	″	15
اگست	البیان: آل عمران 3: 18-32 (2)	″	18
ستمبر	البیان: آل عمران 3: 33-63 (3)	″	6
اکتوبر	البیان: آل عمران 3: 64-80 (4)	″	6
نومبر	البیان: آل عمران 3: 81-99 (5)	″	10
دسمبر	البیان: آل عمران 3: 100-117 (6)	″	11

معارفِ نبوی

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	احادیث	جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس	22
فروری	احادیث	〃	21
مارچ	احادیث	〃	11
اپریل	احادیث	〃	20
مئی	احادیث	〃	16
جون	احادیث	〃	14
جولائی	احادیث	〃	19
اگست	احادیث	〃	22
ستمبر	احادیث	محمد حسن الیاس	12
اکتوبر	احادیث	〃	10
نومبر	احادیث	〃	14
دسمبر	احادیث	〃	15

شذرات

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	زوجین	جاوید احمد غامدی	3
〃	ایمانیات میں کیا شامل ہے اور کیا شامل نہیں ہے؟	سید منظور الحسن	6
〃	مسئلۂ فلسطین اور مذہبی قیادت کا کردار	محمد حسن الیاس	11
فروری	علم و استدلال	جاوید احمد غامدی	3
〃	رؤیتِ باری تعالیٰ—غامدی صاحب کا موقف	سید منظور الحسن	6
مارچ	احکام شریعت کی غرض و غایت	〃	3
اپریل	شریعت میں حلال و حرام کے احکام	〃	3

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
اپریل	احمد جاوید صاحب کی تصوف پر تنقید	سید منظور الحسن	6
″	زیورات پر زکوٰۃ— دین کا حکم کیا ہے؟	محمد حسن الیاس	11
مئی	کیا ظلم جہاد کو لازم کر دیتا ہے؟	″	3
″	تصنیف و تالیف میں مصنوعی ذہانت کا استعمال	سید منظور الحسن	8
جون	زینتوں کی حلت	″	3
جولائی	تاریخ کے ملبے پر کھڑی امت	محمد حسن الیاس	3
″	زینتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم	سید منظور الحسن	7
اگست	حلال کو حرام قرار دینے کی بدعت	″	3
″	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: ایک عہد ساز مفکر!	محمد حسن الیاس	7
ستمبر	خصوصی شمارہ	سید منظور الحسن	4
اکتوبر	تطہیر اخلاق کے بنیادی اصول	″	3
نومبر	امام شاہ ولی اللہ کے کام کی اہمیت	″	3
دسمبر	فطرت کی ہدایت اور انبیا کی ہدایت کا باہمی تعلق	″	3

مقامات

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	عالمی دعوت	جاوید احمد غامدی	24
فروری	ایمان بالغیب	″	23
مارچ	اضطراری علم	″	13
اپریل	علم کی بنیاد	″	22
مئی	قطعی الدلالۃ	″	18
جون	عام اور خاص	″	16
جولائی	اصول و مبادی	″	21
اگست	حدیث و سنت	″	24
اکتوبر	اصول فقہ	″	12

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
نومبر	اجتہاد	جاوید احمد غامدی	7
دسمبر	اجماع	〃	7

دین و دانش

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	شق القمر: غامدی صاحب کا موقف (18)	سید منظور الحسن	28
فروری	شق القمر: غامدی صاحب کا موقف (19)	〃	25
مارچ	شق القمر: غامدی صاحب کا موقف (20)	〃	19
اپریل	شق القمر: غامدی صاحب کا موقف (21)	〃	28
مئی	شق القمر: غامدی صاحب کا موقف (22)	〃	22
〃	''حور'' کیا کوئی الگ مخلوق ہے؟	محمد حسن الیاس	26
جون	شق القمر: غامدی صاحب کا موقف (23)	سید منظور الحسن	19
جولائی	اسرا و معراج: تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی (1)	〃	24
اگست	اسرا و معراج: تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی (2)	〃	27
اکتوبر	اسرا و معراج: تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی (3)	〃	15
نومبر	اسرا و معراج: تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی (4)	〃	26
دسمبر	اسرا و معراج: تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی (5)	〃	38

آثارِ صحابہ

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا علم و عمل بہ طور اسوہ (4)	ڈاکٹر عمار خان ناصر	37
فروری	اہل بیتِ کرام کی تعظیم و توقیر (5)	〃	31
مارچ	اہل بیتِ کرام کی تعظیم و توقیر (6)	〃	25
اپریل	اہل بیتِ کرام کی تعظیم و توقیر (7)	〃	33
مئی	اہل بیتِ کرام کی تعظیم و توقیر (8)	〃	31

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جون	حضرت علی سے متعلق سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر کے آثار (9)	ڈاکٹر عمار خان ناصر	23
جولائی	صحابہ سے متعلق ائمۂ اہل بیت کے آثار (10)	″	26
اگست	صحابہ سے متعلق ائمۂ اہل بیت کے آثار (11)	″	32
اکتوبر	حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے متعلق سیدنا علی کے آثار (12)	″	17
نومبر	حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے متعلق سیدنا علی کے آثار (13)	″	17
دسمبر	سردارانِ فارس اور صحابہ کے مابین مکالمے (14)	″	17

نقطۂ نظر

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	”23 اعتراضات سیریز“ — تصنیفی کام کا طریقۂ کار	سید منظور الحسن	51
″	جنس یا انسان	محمد ذکوان ندوی	62
″	علاماتِ قیامت: کون سی پوری ہو گئیں اور کون سی باقی	عدنان اعجاز	64
فروری	فکرِ غامدی: چند اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر عرفان شہزاد	40
″	’کلمۂ اسلام‘ کی عظمت	محمد ذکوان ندوی	49
مارچ	مذہبی شناختیں، تاریخی صورتِ حال اور درپیش چیلنجز	ڈاکٹر عمار خان ناصر	31
″	فکری گم راہی کے اسباب (1)	محمد حسن الیاس / شاہد رضا	35
اپریل	فقہی منہاج میں استدلال کے سقم	ڈاکٹر عرفان شہزاد	39
″	فکری گم راہی کے اسباب (2)	محمد حسن الیاس / شاہد رضا	49
″	علم کلام کی ضرورت و معنویت اور غامدی صاحب کی رائے پر تبصرہ	مشرف بیگ	55
مئی	کائنات کا پہلا گناہ	محمد ذکوان ندوی	45

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
مئی	علاماتِ قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (1)	محمد سعد سلیم	50
جون	کلام رسول کا مطالعہ	محمد ذکوان ندوی	38
″	کوفہ کا سیاسی کردار: ایک جائزہ (1)	ڈاکٹر عرفان شہزاد	41
″	شادی کے لیے بلوغت کی شرط	نعیم احمد بلوچ	50
″	علاماتِ قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (2)	محمد سعد سلیم	63
جولائی	حضرت انس سے مروی ایک حدیث کی توجیہ	علامہ شبیر احمد ازہر / غطریف شہباز ندوی	35
″	علاماتِ قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (3)	محمد سعد سلیم	43
اگست	اختلافِ قراءت سے متعلق بعض احادیث کا مطالعہ	علامہ شبیر احمد ازہر / غطریف شہباز ندوی	44
″	علاماتِ قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (4)	محمد سعد سلیم	51
اکتوبر	صحیحین میں مروی شہد کی کہانی کا جائزہ (1)	علامہ شبیر احمد ازہر / غطریف شہباز ندوی	25
″	مہذب دنیا کے غیر مہذب کھیل	ڈاکٹر عرفان شہزاد	31
″	علاماتِ قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (5)	محمد سعد سلیم	34
نومبر	سرسید کی کلامی فکر اور اس کا منہج: ایک تجزیاتی مطالعہ (1)	وارث مظہری	51
″	صحیحین میں مروی شہد کی کہانی کا جائزہ (2)	علامہ شبیر احمد ازہر / غطریف شہباز ندوی	64
″	کیا قریش بنو ہاشم کی خلافت سے خائف تھے؟	ڈاکٹر عرفان شہزاد	76

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
نومبر	علاماتِ قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (6)	محمد سعد سلیم	85
دسمبر	سرسید کی کلامی فکر اور اس کا منہج: ایک تجزیاتی مطالعہ (2)	وارث مظہری	57
″	'عَبَسَ وَتَوَلّٰی' کا فاعل کون؟	علامہ شبیر احمد ازہر / غطریف شہباز ندوی	67
″	علامات قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (7)	محمد سعد سلیم	76

مختارات

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	'اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ' کی شانِ نزول کی تحقیق (2)	علامہ شبیر احمد ازہر / غطریف شہباز ندوی	73
″	پاکستانی معاشرتی رویے: برداشت، اختلاف اور انتہا پسندی	ثاقب علی	79
فروری	فراہی سیمینار میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا خطاب	سید ابوالحسن علی ندوی	51
″	'اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ' کی شانِ نزول کی تحقیق (3)	علامہ شبیر احمد ازہر / غطریف شہباز ندوی	60
″	کیا ہم نے کبھی غور کیا؟	ثاقب علی	67
مارچ	روزہ اور برکاتِ روزہ	مولانا امین احسن اصلاحی	43
″	قاری یا صاحبِ قرآن	محمد ذکوان ندوی	54
اپریل	ابدی عید کا تجربہ	″	67
″	مسلمانوں کا تصورِ دین اور قرآن مجید	ثاقب علی	72
مئی	کیا زمانۂ فترت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کا ارادہ کیا تھا؟	علامہ شبیر احمد ازہر / غطریف شہباز ندوی	67
″	شکر گزاری کی طاقت: زندگی کے چند سبق	ڈاکٹر شہزاد سلیم / ثاقب علی	74

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جون	پہلے کون سی سورہ نازل ہوئی؟	علامہ شبیر احمد ازہر / غطریف شہباز ندوی	73
ً	خاموش خدا، خاموش کلام	ثاقب علی	88
نومبر	چیٹ جی پی ٹی کے ساتھ ایک چشم کشا تجربہ	ً	110
دسمبر	قبرستان کی سیر	ً	96

مکالمات

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	مطالعۂ سنن ابن ماجہ (1)	ڈاکٹر عمار خان ناصر / ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن	82
ً	دین میں ڈاڑھی کا تصور (1)	محمد حسن الیاس / شاہد رضا	93
فروری	مطالعۂ سنن ابن ماجہ (2)	ڈاکٹر عمار خان ناصر / ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن	70
ً	دین میں ڈاڑھی کا تصور (2)	محمد حسن الیاس / شاہد رضا	81
اپریل	مطالعۂ سنن ابن ماجہ (3)	ڈاکٹر عمار خان ناصر / ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن	77
مئی	مطالعۂ سنن ابن ماجہ (4)	ً	78
جون	مطالعۂ سنن ابن ماجہ (5)	ً	90
جولائی	مطالعۂ سنن ابن ماجہ (6)	ً	60
اکتوبر	مطالعۂ مسندِ احمد (1)	ً	61
نومبر	مطالعۂ مسندِ احمد (2)	ً	94
دسمبر	مطالعۂ مسندِ احمد (3)	ً	81

تراجم

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	قضیة الالحاد	غطریف شہباز ندوی	101

سیر و سوانح

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	حیاتِ امین (17)	نعیم احمد بلوچ	109
فروری	حیاتِ امین (18)	〃	89
〃	سید سلیمان ندوی: ”شذراتِ سلیمانی“ کے آئینے میں	محمد امین	97
مارچ	حیاتِ امین (19)	نعیم احمد بلوچ	63
〃	علامہ الطاہر بن عاشور: حیات اور علمی خدمات	غطریف شہباز ندوی	70
اپریل	حیاتِ امین (20)	نعیم احمد بلوچ	88
〃	تاریخ کا مخزن: علامہ سید سلیمان ندوی	محمد امین	97
مئی	حیاتِ امین (21)	نعیم احمد بلوچ	87
جون	حیاتِ امین (22)	〃	101
جولائی	حیاتِ امین (23)	〃	72
اگست	حیاتِ امین (24)	〃	69
اکتوبر	حیاتِ امین (25)	〃	68
نومبر	حیاتِ امین (26)	〃	101
دسمبر	حیاتِ امین (27)	〃	89

ادبیات

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	ہم نے مانا کہ یہاں اب کوئی بیداد نہیں	جاوید احمد غامدی	114
فروری	رہتی ہے اگر گردشِ دوراں کوئی دن اور	〃	106
مارچ	ترا وجود نظر کی تلاش میں ہے ابھی	〃	80

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
اپریل	وہی ہے دہر میں اپنے مقام سے آگاہ	جاوید احمد غامدی	106
مئی	علم آشفتہ، عقل بے انداز	؍	95
جون	اے کاش، کبھی سنتے معنی کی خبر لائی	؍	109
جولائی	دل ہے، مگر کسی سے عداوت نہیں رہی	؍	85
اگست	یہ دورِ جہاں کیا ہے؟ دریا بہ حباب اندر	؍	81
ستمبر	ندیم	؍	88
اکتوبر	اقوام والسنۂ سامیہ میں عرب قوم اور عربی زبان کی حیثیت (1)	ڈاکٹر خورشید رضوی	76
؍	چاہو تم اتنا ہی جتنا چاہیے	حمید الدین فراہی	79
؍	جو ہماری نہیں تھی، سر وہ مصیبت نہیں لی	ڈاکٹر خورشید رضوی	80
؍	امن کا نام لبوں پر ہے، سناں پہلو میں	جاوید احمد غامدی	81
نومبر	عربی ادب قبل از اسلام: جغرافیائی خط وخال (2)	ڈاکٹر خورشید رضوی	113
؍	چادرِ ابر میں سورج کو چھپانے کے لیے	؍	123
؍	اِس پر ہوا ہے دہر میں اپنا سفر تمام	جاوید احمد غامدی	124
دسمبر	عربی ادب قبل از اسلام: نباتی وحیوانی زندگی (3)	ڈاکٹر خورشید رضوی	98
؍	اب سوچتا ہوں اِس جسدِ خاک میں تھا کون	؍	109
؍	اٹھتی ہے موج یورش غم کا خروش ہے	جاوید احمد غامدی	110

وفیات

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
مارچ	زندہ رہیں تو کیا ہے جو مر جائیں ہم تو کیا!	سید منظور الحسن	74

اصلاح ودعوت

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جولائی	دورِ زوال کا ایک ہلاکت خیز ظاہرہ	محمد ذکوان ندوی	54

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
اگست	رحمتِ الٰہی کا واسطہ	محمد ذکوان ندوی	60
″	قرآن کا پیغام آج کے انسان کے نام	ثاقب علی	64
اکتوبر	قرآن: کتابِ ہدایت	محمد ذکوان ندوی	52

نقد و نظر

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
اپریل	کیا زکوٰۃ کا نصاب بدلا جا سکتا ہے؟	محمد حسن الیاس	60
مئی	فقہ حنفی میں 'واجب' کا تصور	″	61
اکتوبر	صلاۃ التسبیح: فقہ و حدیث کی روشنی میں (1)	ڈاکٹر محمد عامر گزدر	43
نومبر	صلاۃ التسبیح: فقہ و حدیث کی روشنی میں (2)	″	36
″	'الخراج بالضمان' کا صحیح تصور	محمد حسن الیاس	48
دسمبر	صلاۃ التسبیح: فقہ و حدیث کی روشنی میں (3)	ڈاکٹر محمد عامر گزدر	48

تقریب بہ سلسلہ لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
ستمبر	کاروانِ عزیمت کا سرخیل	محمد حسن الیاس / شاہد رضا	15
″	خدمتِ قرآن کے 37 برس	مکرم عزیز / معظم صفدر	22
″	رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز	جاوید احمد غامدی / سید منظور الحسن	25
″	وفا کیش ندیم	سید منظور الحسن	28
″	یکسوئی میں حضرت ابراہیم کا پیرو	ڈاکٹر خالد ظہیر / شاہد محمود	32
″	استاذ کا بے مثل شاگرد	ڈاکٹر عمار خان ناصر	34

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
ستمبر	فکرِ غامدی کی صبح کا ستارہ	نعیم احمد بلوچ	36
″	دورِ ابلاغ کا سالارِ قافلہ	ریحان احمد یوسفی	43
″	دینی استقامت میں میرا ہیرو	معز امجد / شاہد محمود	47
″	ڈاکٹر شہزاد سلیم سے وابستگی کی روداد	محمد ذکوان ندوی / شاہد محمود	49
″	مدرسۂ فراہی میں میرے پہلے استاد	ڈاکٹر عرفان شہزاد / عبد الوحید	51
″	اعلیٰ اخلاق کا پیکر	فرحان سید / شاہد رضا	53
″	علم کا سفیر اور دین کا مبلغ	حمزہ علی عباسی / شاہد محمود	55
″	ہم دردی، عزم اور استقامت کا پیکر	امتنان الٰہی / شاہد محمود	57
″	عالم باعمل	کوکب شہزاد / شاہد رضا	59
″	″المورد کلچر″ ہمارا محسن	ڈاکٹر شہزاد سلیم / معظم صفدر	61
″	داستانِ حیات ڈاکٹر شہزاد سلیم: محمد حسن الیاس سے ایک مکالمہ (1)	شاہد محمود	69
″	ڈاکٹر شہزاد سلیم: ایک مترجم، محقق اور مربی	غطریف شہباز ندوی	76
″	علم و اخلاق کا امتزاج	ثاقب علی	83

حالات و وقائع

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
جنوری	خبر نامہ ″المورد امریکہ″	شاہد محمود	115
فروری	خبر نامہ ″المورد امریکہ″	″	107
مارچ	خبر نامہ ″المورد امریکہ″	″	81

شمارہ	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
اپریل	خبر نامہ ”المورد امریکہ“	شاہد محمود	107
مئی	خبر نامہ ”المورد امریکہ“	؍	96
جون	خبر نامہ ”المورد امریکہ“	؍	110
جولائی	خبر نامہ ”المورد امریکہ“	؍	87
اگست	خبر نامہ ”المورد امریکہ“	؍	82
ستمبر	خبر نامہ ”المورد امریکہ“	؍	90
اکتوبر	داستانِ حیات ڈاکٹر شہزاد سلیم: محمد حسن الیاس سے ایک مکالمہ (2)	؍	82
؍	خبر نامہ ”المورد امریکہ“	؍	90
نومبر	داستانِ حیات ڈاکٹر شہزاد سلیم: محمد حسن الیاس سے ایک مکالمہ (3)	؍	125
؍	خبر نامہ ”المورد امریکہ“	؍	137
دسمبر	خبر نامہ ”المورد امریکہ“	؍	111